ترقی کا اسلامی تصور

مقاصد شریعت کی روشنی میں

محمد عمر چھاپرا

اسلامی ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

جدہ (سعودی عرب)

ترجمہ پر نظر ثانی

اوصاف احمد

ایفا پبلیکیشنز- نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	ترقی کا اسلامی تصور- مقاصد شریعت کی روشنی میں
مصنف	:	محمد عمر چھاپرا
نظر ثانی	:	اوصاف احمد
کمپوزنگ	:	محمد سیف اللہ
صفحات	:	۵۶
قیمت	:	۳۰ روپے
سن طباعت	:	۲۰۱۰ء
ISBN	:	978-81-910932-0-9

ناشر

ایفا پبلیکیشنز

۱۶۱- ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸
جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
ای میل: ifapublication@gmail.com
فون: 011 - 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی

۳- مولانا بدر الحسن قاسمی

۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

۵- مولانا عتیق احمد بستوی

۶- مولانا عبید اللہ اسعدی

فہرست

پیش لفظ

''عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی'' محمد عمر چھاپرا (جو ایک عالم اور اقتصادیات کے ماہر ہیں) کے اس تحقیقی مقالہ کو پیش کرنے میں نہایت خوشی محسوس کر رہا ہے جس میں مقاصد شریعت کی روشنی میں ترقی کے اسلامی تصور کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، مقاصد شریعت کے موضوع پر انگریزی زبان میں مواد کی قلت کے پیش نظر ''عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی'' نے فکر ونظر کے ایک اہم اور پیچیدہ شعبے ''مقاصد شریعت'' پر انگریزی زبان کے قارئین کے لئے کتابوں کے ایک سلسلہ کا ترجمہ واشاعت کے ذریعہ اس خلا کو پُر کرنے کا ارادہ کیا ہے، ماضی میں چند کتابیں مقاصد شریعت کے موضوع پر شائع ہو چکی ہیں، جن میں ابن عاشور کا کتابچہ، بنیادی مقاصد کے موضوع پر امام شاطبی کا نظریہ، احمد ریسونی کا شریعت اسلامی کے ارادے ومقاصد، شریعت اسلامی کے بنیادی مقاصد کی حصولیابی کی طرف ایک عملی تقابل از جمال الدین عطیہ اور جاسر عودہ کی کتاب مقاصد شریعت اسلامی شریعت کے ایک فلسفہ کے طور پر نظاموں کا تقابل شامل ہیں۔

چونکہ یہ موضوع پیچیدہ ہے اور فکری چیلنج سے متعلق ہے اور اس موضوع پر شائع ہونے والی اکثر کتابیں ماہرین وعلماء ومفکرین کے لئے لکھی گئی ہیں، ''عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی'' کی لندن آفس اس موضوع پر پیش کئے گئے مقالوں کے سلسلہ کو تعارفی کتابوں کی شکل میں آسان وسلیس زبان میں منظر عام پر لانے کا ارادہ رکھتی ہے، تا کہ اس کے مواد تک عام قاری بآسانی پہنچ جائے، ان میں ''محمد ہاشم کمال کی تسہیل مقاصد شریعت اور جاسر عودہ کی مقاصد شریعت'' مبتدی حضرات کے لئے رہنما کتابیں تصور کی جاسکتی ہیں۔

انس شیخ علی

علمی مشیر-عالمی ادارہ برائے فکر اسلامی لندن آفس

ترقی کا اسلامی تصور

مقاصد شریعت کی روشنی میں

مقدمہ

اسلامی تعلیمات کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ وہ پوری انسانیت کے لئے نعمت ورحمت ہے، اسی مقصد اصلی کے حصول کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ کی بعثت ہوئی "وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلاَّ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ" (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے) (قرآن کریم 21:107)۔

اس مقصد کی حصولیابی کے لئے جو وسائل وذرائع ناگزیر ہیں ان میں سے ایک قومیت، جنس، عمر اور رنگ ونسل کے تصورات سے قطع نظر زمین پر بسنے والے تمام افراد کی کامیابی اور فلاح وبہبود کو یقینی بنانا ہے۔ لفظ فلاح (کامیابی) اور اس کے مشتقات قرآن پاک میں چالیس بار آئے ہیں اور دوسرا لفظ ''فوز'' (کامرانی) جو فلاح کا مرادف ہے اپنے مشتقات کے ساتھ 29 جگہوں پر آیا ہے، موذن بھی ایمان والوں کو اسی مقصد کی طرف ہر روز پانچ بار بلاتا ہے، اس سے اسلام کے تصور عالم میں فلاح وبہبود کی اہمیت بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔

یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلاح کا حصول تو دنیا کے تمام معاشروں کا مقصد ہے۔ اس میں اسلام کی کیا تخصیص؟ یقیناً یہ بات بالکل درست ہے کہ نسل انسانی کے فلاح وبہبود کے مقاصد میں انسانی معاشروں میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے، مگر حقیقی خوشحالی کے تعین اور اس کی حصولیابی وقیام کی حکمت عملی کے نظریات میں اختلاف موجود ہے، اگر ان معاشروں

کے عالمی نظریہ پر تمام ادیان ومذاہب کا خالص نظریہ غالب رہتا تو اس طرح کے اختلافات کا امکان نہ تھا، مگر ادیان عالم کا بنیادی نظریہ مرور ایام کے ساتھ مسخ ہوتا چلا گیا، علاوہ ازیں سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی روشن خیالی کی تحریکات نے مختلف تناسب میں اپنے سیکولر اور مادی تصورات کے ذریعہ دنیا کے تقریباً ہر ایک معاشرے پر کافی اثر ڈالا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی کا بنیادی معیار دولت وآمدنی میں اضافہ قرار پایا، یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نوع انسانی کی ترقی وکامیابی کا دارومدار صرف مادی ضروریات کی تکمیل اور دولت وثروت کی کثرت سے ممکن ہے؟ مذہبی دانشوروں، فلسفہ واخلاق کے ماہرین اور بہت سے معاصر اہل علم ومحققین نے خوشحالی اور فلاح وبہبودی کو دولت وآمدنی میں اضافے ہی تک محدود کردینے پر سوالیہ نشان لگایا ہے اور خوشحالی کے روحانی اور غیر مادی عناصر واجزاء پر بھی کافی زور دیا ہے۔

تجرباتی تحقیقات نے بھی غیر مادی اور روحانی پہلوؤں کو نظر انداز کئے جانے اور خوشحالی کے مادی عناصر پر نامناسب اصرار کے منفی اثرات کو بخوبی واضح کردیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد کچھ ملکوں میں حقیقی آمدنی میں بے تحاشہ اضافے کے باوجود جائزوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف خوشحالی کے اضافہ میں کمی واقع ہوئی ہے بلکہ حقیقی خوشحالی بھی روبہ زوال ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ خوشحالی ومسرت زیادہ آمدنی سے صرف اس حد تک وابستہ ہے کہ اس سے بنیادی ضروریات پوری ہوسکیں، مگر ایک حد تک پہنچ کر اس میں مزید بہتری ممکن نہیں ہوتی، **الا** یہ کہ خوشحالی اور فلاح وبہبودی میں اضافے کی خاطر بعض دوسری ناگزیر ضروریات کی تکمیل عمل میں لائی جائے۔

یہ دوسری ضروریات کیا ہیں؟ ان میں اکثر اپنی ماہیت کے اعتبار سے روحانی اور غیر مادی ہیں، جن کے لئے ضروری نہیں کہ آمدنی میں اضافے کے ذریعہ ہی پوری ہوسکیں، زیادہ سے زیادہ دولت حاصل کرنے کے جنون نے بھی ان ضروریات کی تکمیل کی طرف سے عدم توجہی

میں بڑھاوا دیا ہے، ماہرین اقتصادیات عموماً ان ضرورتوں کو موضوع بحث بنانے سے احتراز کرتے ہیں، اس کا بنیادی سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ غیر مادی اور روحانی ضروریات ایسے احکام کے متقاضی ہیں جن کا تعلق اقدار سے ہے اور ان کی کمیت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، مگر یہ ایک ایسا اہم اور مہتم بالشان کام ہے جس سے تغافل ممکن نہیں۔

انسانی خوشحالی کی تکمیل کے لئے سب سے اہم غیر مادی اور روحانی ضرورت ذہنی اطمینان و مسرت ہے، یہ ایسے امور ہیں جن کی حصولیابی دولت و آمدنی میں اضافہ کے ذریعہ ممکن نہیں۔ بلکہ سکونِ قلب و مسرت کا تقاضا یہ ہے کہ بہت سی دوسری غیر مادی ضرورتیں بھی پوری ہوں، ان ضروریات میں عدل و انصاف اور اخوت انسانی کی بڑی اہمیت ہے جن کی تکمیل ہر فرد کے ساتھ قومیت، جنس، عمر اور رنگ و نسل میں امتیاز کے بغیر آپسی احترام اور مساویانہ برتاؤ، نیز ہر ایک کے درمیان ترقی کے ثمرات کی مساویانہ تقسیم کے ذریعہ ہی ممکن ہوسکتی ہے، اخلاقی و روحانی معیار کا بلند ہونا بھی بہت اہم ہے جو کہ نہ صرف قیام عدل، بلکہ دوسری تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے بھی بنیادی رہنما اصول کا درجہ رکھتا ہے، دوسری اہم اور عمومی طور پر تسلیم شدہ ضروریات میں پائیدار خوشحالی کا قیام ہے جس میں جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت، فرد کی آزادی، روحانی اور مادی ترقی، اولاد کی صحیح تربیت، خاندانی و معاشرتی نظام کا تحفظ اور ممکن حد تک اعصابی تناؤ، جرائم اور معاشرتی مسائل و مشکلات کا خاتمہ شامل ہیں، ترقی کے جدید زاویہ میں اگرچہ ان ضروریات کو تسلیم کرلیا گیا ہے، مگر ان کی تکمیل کے لئے مطلوبہ روحانی بنیاد کی طرف کما حقہ توجہ نہیں دی گئی ہے، ان ضروریات کی مناسب تکمیل کی ضمانت کے بغیر معاشرے کی طویل المیعاد ترقی کا حصول اور اسے باقی رکھنا محال معلوم ہوتا ہے۔

جہاں اسلام بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے دولت و ثروت کی منصفانہ تقسیم کو اہم عنصر گردانتا ہے وہیں ترقی کے لئے دولت و آمدنی میں اضافہ کو بھی ضروری قرار دیتا ہے، انسانی

فلاح وبہبود کا ہمہ گیر تصور صرف اسی کے ذریعہ ممکن نہیں، بلکہ حقیقی خوشحالی کی حصولیابی اور طویل المیعاد ترقی کو باقی رکھنے کے لئے روحانی اور غیر مادی ضروریات کی تکمیل بھی ضروری ہے، اگر ان ضروریات کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی تو خوشحالی کی تکمیل سے انحراف تصور کیا جائے گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ خود معاشرہ اور اس کی تہذیب درہم برہم ہوجائے گی۔

ان ضرویات کی تکمیل کو انسان کا ایک بنیادی حق تصور کیا جاتا ہے اور اسلامی علوم نے اس کو مقاصد شریعت کے عنوان سے تعبیر کیا ہے جس کی طرف مقاصد، جس کا واحد ''مقصد'' ہے، سے اشارہ کیا جائے گا، اس مقالے میں ان مقاصد کی تشریح کرنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ کہ وہ کس طرح آپس میں مربوط ہیں، ان کے مضمرات ونتائج کیا ہیں اور انسان کی حقیقی خوشحالی کے لئے ارتقاء کے کون سے طریقے زیادہ کارگر ہوسکتے ہیں۔

مقاصد شریعت

شریعت کا مقصد لوگوں کے لئے منافع کی حصولیابی اور مضرات ومفاسد سے ان کی حفاظت ہے۔ امام ابو حامد الغزالی (متوفی 505 H / 1111) کہتے ہیں:

> شریعت کا بنیادی مقصد لوگوں کی فلاح کو فروغ دینا ہے جو دین، جان، عقل، نسل اور مال کے تحفظ میں مضمر ہے، جس چیز کے اندر بھی ان پانچوں تحفظات کی ضمانت موجود ہے، اس سے بندگان خدا کو فائدہ پہنچتا ہے اور وہ پسندیدہ امر ہے۔ اور جو کچھ بھی ان پانچ مقاصد کے لئے مضرت رساں ہے، وہ مصالح عامہ کے خلاف ہے اور اس کا دور کیا جانا پسندیدہ ہے۔

مندرجہ بالا اقتباس میں امام غزالی نے مقاصد خمسہ (دین، جان، عقل، نسل اور مال) کے تحفظ پر زور دیا ہے ان سے تقریباً تین صدی بعد امام ابو اسحاق شاطبی (متوفی 790 H/1388) نے مقاصد شریعت کی تشریح میں امام غزالی کی تائید کی ہے، مگر کسی بھی صورت میں انسان کی تمام

ضروریات کی تکمیل اور حقوق انسانی کے ذریعہ انسانی فلاح وبہبود کی ضمانت کی خاطر صرف یہ مقاصد ہی کافی نہیں ہیں، بلکہ بعض دوسرے مقاصد بھی ہیں جن کی طرف قرآن کریم اور سنت نبوی نے اشارہ کیا ہے، یا اسلامی علماء اور مفکرین نے قرآن وسنت کے یا تو شواہد سے ان کا استنباط کیا ہے۔ اگر ان مقاصد خمسہ کو اصل مقاصد قرار دیا جائے تو دوسرے مقاصد کو ان کے تابع قرار دیا جاسکتا ہے۔

اصل مقاصد کی طرف توجہ دینے کے ساتھ ساتھ دوسرے جزوی مقاصد کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، کیونکہ بنیادی مقاصد کی حصولیابی ان کے بغیر مشکل ہوسکتی ہے، تسلیم شدہ فقہی اصول یہ ہے کہ وسائل کو وہی قانونی درجہ حاصل ہے جو مقاصد کو ہے، اس مشہور اصول کے مطابق یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ لازمی شے کے حصول کے لئے ضروری چیز بھی لازم ہوجاتی ہے، ثانوی درجہ کی چیزیں کبھی کبھی وقتی طور پر کم اہم معلوم ہوتی ہیں، مگر طویل مدتی نقطہ نظر سے ان کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے اور ان کی عدم تکمیل کے سبب متعدد اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پیدا ہوسکتے ہیں مزید برآں، جزئیات میں بھی وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی اور وسعت ہوسکتی ہے۔ قرآن اور سنت میں موجود حرکیت اور وسعت ہمیں اس کا اہل بناتی ہے کہ ہم ان ضمنی مقاصد میں ترمیم وتبدل کرسکیں، تاکہ حقوق انسانی کا احترام ممکن بنایا جاسکے اور انسانوں کی تمام ضروریات کی تسکین کی جاسکے۔

اس کے علاوہ اگر ہم معاشرے کی فلاح اور پائیدار ترقی سے دلچسپی رکھتے ہیں تو غزالی کے مندرجہ بالا اقتباس میں مذکور لفظ ''تحفظ'' کا مطلب ضروری نہیں کہ امر واقع یا حالیہ حقیقت کی موجودہ صورت کا تحفظ ہے اور جہاں تک مقاصد کی تکمیل کا تعلق ہے، ہم کسی چیز کا تحفظ اس وقت کرتے ہیں جب کامیابی وکامرانی کی انتہا کو پہنچ چکے ہوتے ہیں جو کہ اس دنیا میں کسی انسان کے لئے ممکن نہیں، اس لئے کہ تحسین کی گنجائش ہمیشہ باقی رہتی ہے، تاریخ کا تصور یہ ہے کہ مثبت نظریہ

کی تحریک کے ذریعہ مقاصد کی حصولیابی میں جب تک مسلسل ترقی نہیں ہوگی طویل عرصہ تک مقاصد کی حفاظت یا معاشرہ کی پائیدار خوشحالی ممکن نہیں ہوگی، اور آخر کار جمود و تعطل کا ماحول پیدا ہوتا چلا جائے گا، جس سے زوال وانحطاط کا عمل شروع ہوجائے گا۔

ہندوپاک کے فلسفی شاعر ڈاکٹر محمد اقبال نے فارسی زبان کے اپنے دو مصرعوں میں اسے کیا ہی اچھے انداز میں ذکر کیا ہے:

ہستم اگر می روم
گر نہ روم نیستم

(ترجمہ) اگر میں حرکت پذیر ہوں تو میرا وجود ہے، اگر میں
حرکت پذیر نہیں ہوں تو میرا وجود ہی نہیں۔

چنانچہ ضروری ہے کہ انسان بنیادی وضمنی مقاصد میں مسلسل اضافے کی خاطر جد وجہد کرتا رہے، ضروریات وحالات میں تغیر وتبدل نہ صرف افراد کے لئے ہے، بلکہ پورے معاشرے کے لئے ہے، چنانچہ ہر فرد کے لئے ممکن ہے کہ وہ روشن مستقبل کی طرف آگے بڑھتا رہے، لیکن ہمارے لئے اس وقت فارغ البالی اور خوشحالی کا حصول مشکل ہوسکتا ہے، جب ہم صرف انہیں ضروریات کے دائرہ میں خود کو محدود کرلیں جن پر قدیم فقہاء نے بحثیں کی ہیں، زمانہ بدل چکا ہے، ضروریات بدل چکی ہیں، بلکہ اس میں زیادتی ہوگئی ہے، ان سب چیزوں کو سامنے رکھ کر مقاصد پر (نئے تحقیقی انداز) سے بحث ومباحثہ کی ضرورت ہے۔

وہ پانچ مقاصد جن پر دوسرے علماء نے بھروسہ کیا ہے ان میں سے کسی نے بھی قطعی طور پر غزالی کی ترتیب کا التزام نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ شاطبی نے بھی مقاصد کے لئے غزالی کی ترتیب کو ہمیشہ نہیں اپنایا ہے، اس سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ بحث ومباحثہ کی فطرت کے پیش نظر ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے گا، مثال کے طور پر فخر الدین رازی (متوفی ء1209 /H 666) مقاصد میں انسان کی جان کے تحفظ کو اولیت دیتے ہیں۔

لہٰذا یہ زیادہ منطقی معلوم ہوتا ہے کہ پائیدار ترقی پر بحث ومباحثہ میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا جائے، اس کا واضح سبب یہ ہے کہ انسان نائب خدا ہے اور ترقی اور وسیلۂ ترقی کی غرض وغایت وہی ہے، تنزلی اور ترقی کا محرک بھی وہی ہے، جیسا کہ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے: "إِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ" (بیشک اللہ کسی قوم کی اچھی حالت بدل نہیں دیتا جب تک وہ لوگ خود اپنے میں تبدیلی نہیں کر لیتے) (13:11)، اور شریعت لوگوں کے تعاون کو خود انہی کے افراد اور ان پر اثر انداز ہونے والے اداروں کی اصلاح ومقصد کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اس کے مطابق اگر ہم انسان کی جان کی حفاظت کو اولیت دیتے ہیں تو مقاصد شریعت کا مفہوم مندرجہ ذیل نقشہ کے ذریعہ اس طرح ہوسکتا ہے:

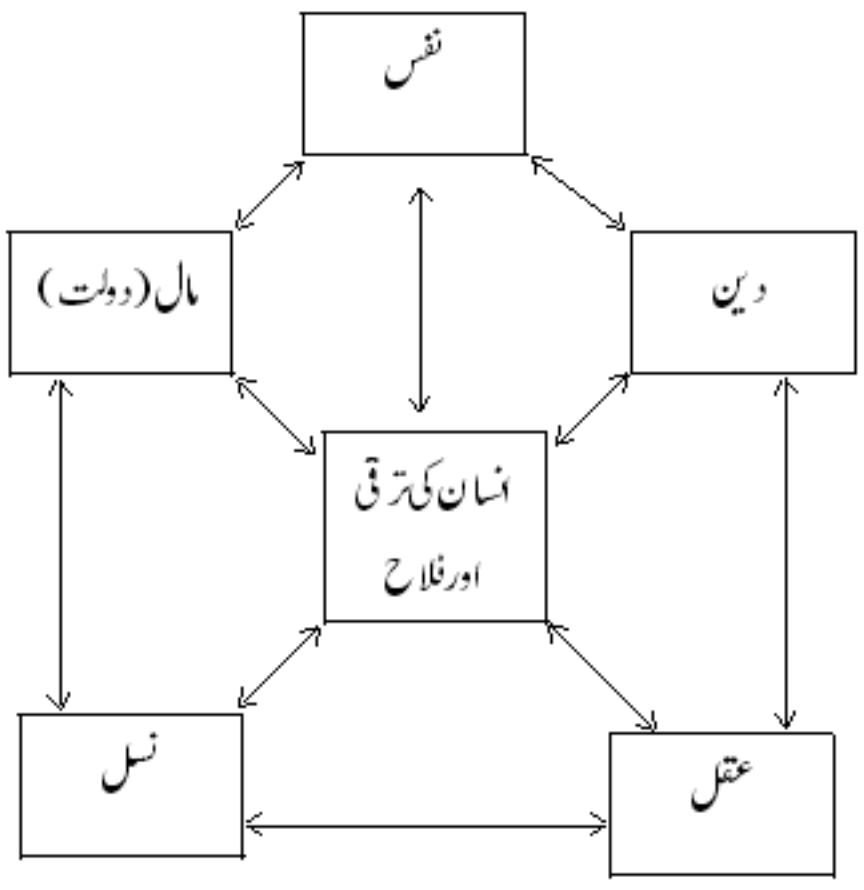

شکل (۱)

چونکہ نفس انسانی کی تقویت شریعت کے پانچ مقاصد میں سے ایک ہے، اس مقصد کی حصولیابی کی کیفیت کو بیان کرنا لازمی ہوجاتا ہے، اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ ہم انسان کی بنیادی ضرورتوں کی تحدید کریں جن کی تکمیل نہ صرف معیار کو بلند کرنے یا ان کی خوشحالی وترقی کو برقرار رکھنے، بلکہ اس لئے بھی لازم ہے کہ وہ سرگرمی کے ساتھ نائب خدا کا کردار بھی ادا کر سکے، ان ضروریات کو مقصد اصلی کے توابع کا نام دے سکتے ہیں اور مقصد اصلی نفس انسانی کی تقویت ہے جس کے متعلق صریح یا ضمنی دلائل قرآن وسنت میں موجود ہیں اور فقہاء نے تفصیل کے ساتھ ان پر روشنی ڈالی ہے۔

ان ضروریات کی تکمیل کی ضمانت حاضر و مستقبل کی نسلوں کی تکنیکی، فکری، مادی، اخلاقی اور روحانی صلاحیتوں کے نکھارنے میں معاون ہوسکتی ہے جس کے نتیجہ میں خوشحالی آئے گی، ان ضروریات میں عزت وآبرو، احترام ذات، انسانی اخوت اور سماجی مساوات کی بڑی اہمیت ہے۔

شکل:2

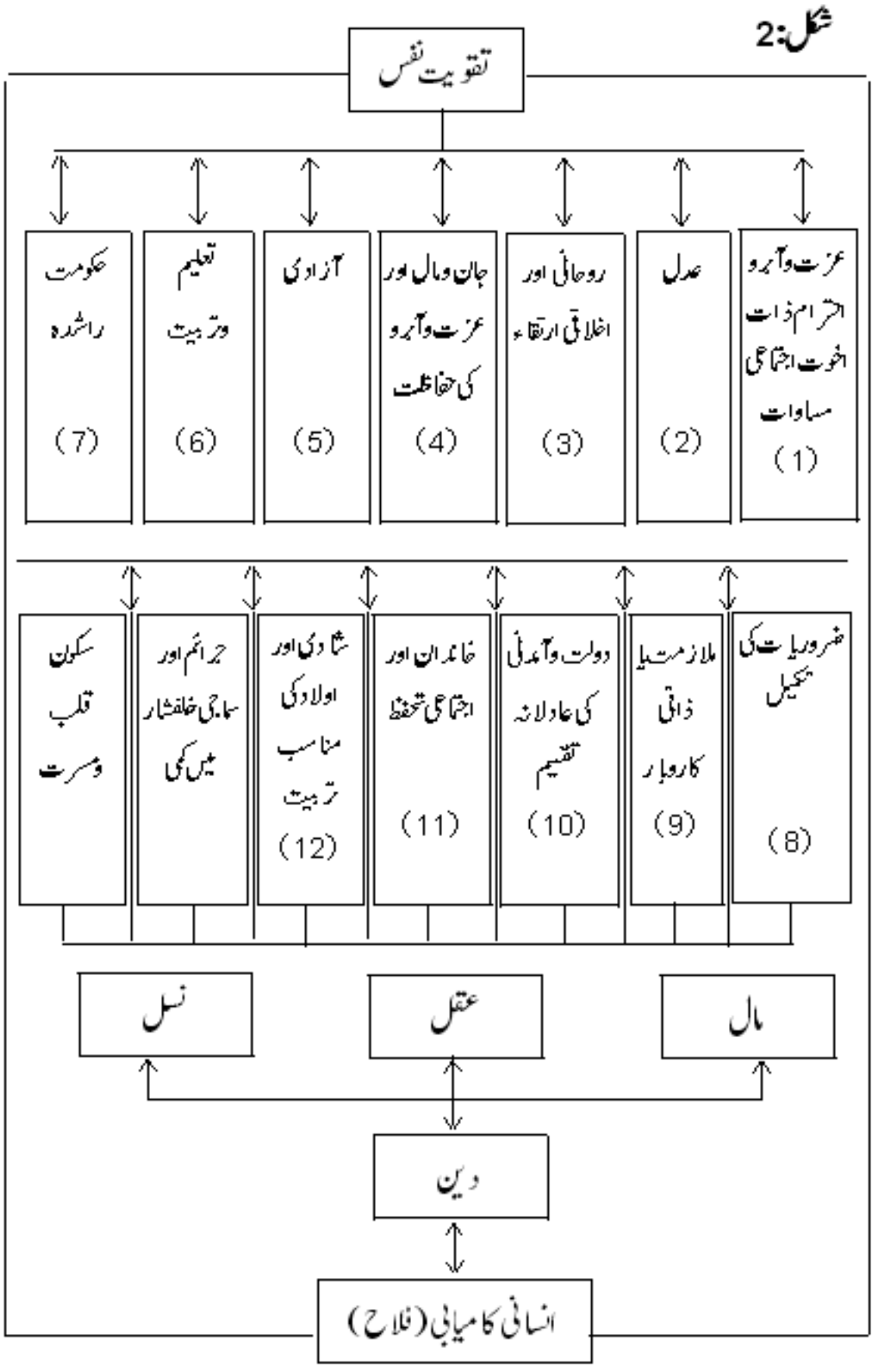
تقویت نفس
عزت وآبرو احترام ذات اخوت اجتماعی مساوات (1)
عدل (2)
روحانی اور اخلاقی ارتقاء (3)
جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت (4)
آزادی (5)
تعلیم وتربیت (6)
حکومت راشدہ (7)
ضروریات کی تکمیل (8)
ملازمت یا ذاتی کاروبار (9)
دولت وآمدنی کی عادلانہ تقسیم (10)
خاندان اور اجتماعی تحفظ (11)
شادی اور اولاد کی مناسب تربیت (12)
جرائم اور سماجی خلفشار میں کمی
سکون قلب ومسرت
مال
عقل
نسل
دین
انسانی کامیابی (فلاح)

اسلام کا نظریۂ عالم (World view) اپنے اس اعلان کے ذریعہ اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ بنیادی طور پر انسانی فطرت پاک وصاف ہے اور کسی روحانی بیماری سے خالی ہے: "فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا، فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لاَ تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لاَ يَعْلَمُوْنَ" (پس آپ یکسو ہوکر اپنا منہ دین کی طرف متوجہ کردیں، اللہ تعالیٰ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے) (القرآن:30:30)، اور: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ" (القرآن: 95:4) (ہم نے انسان کو بہتر انداز کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور یقیناً یہ فطرت بگڑتی نہیں، نسل انسانی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس حقیقی خصوصیت وفطرت کی حفاظت کریں، کیونکہ اس کائنات کے خالق ومالک نے قومیت اور رنگ ونسل سے قطع نظر انسان کو عزت وشرافت کا وافر حصہ عنایت فرمایا ہے: "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِى آدَمَ" (ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو معزز ومکرم بنایا ہے، القرآن: 7:70)، اور اس کو اس زمین میں اپنا نائب بنا کر اس اعزاز سے سرفراز فرمایا ہے: "إِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً" (القرآن:2:30) (میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں)، انسان کے لئے کیا نائب خدا سے بڑھ کر بھی کوئی تکریم کی بات ہوسکتی ہے؟ وہ آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان کے درمیان مساوات اور عدل ہے، چنانچہ مناسب یہ ہے کہ انسان رواداری، باہمی تعاون ورعایت اور امن وامان کے ساتھ رہیں، تاکہ جن وسائل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اپنا جانشیں بنایا ہے، ان سے مساویانہ استفادہ کے ذریعہ ساری انسانیت کی کامیابی کو یقینی بنایا جاسکے اور روئے زمین پر خدا کی عطا کردہ امانت، حیوانات، چرند وپرند اور کیڑے مکوڑوں کے تحفظ کو بھی یقینی بنایا جاسکے اور ایک ایسا ماحول اور فضاء قائم کی جائے جس میں موجودہ اور آنے والی نسلوں کو کوئی ضرر لاحق نہ ہو۔

اسی بناء پر اسلام اس نظریہ کے بالکل خلاف ہے کہ انسان پیدائشی گناہ گار ہے، پیدائشی گناہ کا تصور انسانی عزت وشرف کے تصور کے عین مخالف ہے اور اسلامی تصور حیات کے برخلاف اِس دنیا میں آنے والا ہر بچہ اصلاً دوسروں کی لغزشوں، ناکامیوں اور غلطیوں سے متصف ہوتا ہے۔مزید برآں اگر ایک نجات دہندہ کا آنا لازمی تھا جو انسان کو اس کے ازلی گناہ سے چھٹکارا دلائے جس کا اس نے ارتکاب نہیں کیا ہے تو یہ تاریخی طور پر بالکل آخر میں کیوں آئے، ان کا ظہور اس سرزمین پر اوّل انسان کے ساتھ کیوں نہیں ہوا، اگر انسان گناہ کے ساتھ ہی پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنے اعمال کے لئے جوابدہ کیوں ہوگا قرآن مجید میں کسی بھی مرد یا عورت کے اعمال کی اپنی ذاتی ذمہ داری کے تعلق سے جو نا قابل انکار تاکید آئی، گناہِ ازلی کا تصور اس کے بالکل خلاف ہے: ''قُلْ أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي رَباً وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْئٍ وَلاَ تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلاَّ عَلَيْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَى ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ'' (القرآن: 6:164) (آپ کہئے کہ کیا اللہ کے سوا کسی کو بہ طور پروردگار تلاش کروں، درآنحالیکہ وہی پروردگار ہے ہر چیز کا اور جو شخص کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا پھر تم (سب) کی واپسی تمہارے پروردگار (ہی) کے پاس ہے سو وہی تم کو جتلائے گا جس جس چیز میں تم اختلاف کرتے تھے)۔

اسی طرح وہ ذات جو رحمٰن ورحیم کی صفات سے متصف ہے، جسے مسلمان اپنی پوری زندگی میں بار بار دہراتا ہے، البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ایسا کرنا محال ہے، خصوصاً جبکہ وہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے، ان کو معاف کرتا ہے، وہ اعلیٰ صفات کا مالک ہے جن کو سمجھنا کسی بھی انسان کے لئے ممکن ہے، لہٰذا اس میں حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ انیسویں صدی میں رومانیت پسندوں اور تحمل پسندوں نے انسان کے گناہ ازلی کے وجود کے تصور کا انکار کردیا، اور ایسا ہی کچھ دورِ حاضر کے تقریباً تمام فلسفی کر رہے ہیں، اسی طرح روشن خیالی تحریک کے زیر اثر مغربی فلسفیوں

نے وجودیت اور قدریت کے جن نظریات کی تشکیل کی ہے وہ بھی اسلام کے بنیادی تصورات کے مغائر ہے۔

اسلام کا نظریہ یہ نہیں ہے کہ حیات انسانی کا رخ مادّی، (مارکس)، نفسانی (فرائڈ) وجدانی، (لاویز) یا ماحولیاتی (پاؤلوف، واطسون، اسکنر وغیرہ) تصورات کی جانب پھیر دیا جائے، قدریت اور انسانی ذمہ داری کے درمیان موافقت قائم کرنا ممکن نہیں، اس لئے کہ یہ تصور نہ صرف انسان کو اس کی عزت وشرافت سے محروم کرتا ہے، بلکہ موجودہ حالات ووسائل کے غیر منصفانہ وغیر مساویانہ استفادہ کے تئیں انسانی ذمہ داری کے وجود کا بھی منکر ہے۔

دوسری جانب قدریت کے بالکل برعکس سارتر کا فلسفہ وجودیت بھی اسلام میں ناپسندیدہ تصور کیا گیا ہے، سارتر کے نظریہ کے مطابق انسان آزاد ہے اور اس کی آزادی کی کوئی انتہاء نہیں، سوائے اس کے کہ آزادی سے استفادہ کے لئے اس کے پاس آزادی ہی نہ ہو، انسان کی حیات عقلی کا ہر گوشہ بالارادہ ہے جس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، بلاشبہ قدریہ کے مقابلے میں اس کو بہتر نظریہ تصور کیا جاسکتا ہے، مگر سارتر کے حوالے سے یہ آزادی مطلق ہے، ہر خیر مباح ہے، حیات انسانی کا کوئی اعلا یا انتہائی مقصد نہیں، انسان کے لئے بامقصد، متعین اور بنیادی اخلاق واقدار کا وجود نہیں، نہ اللہ کی شریعت ہے نہ اس کا کوئی وجود ہے، نہ کسی دوسری شئے کا، انسان دنیا میں کمزور و بے سہارا ہے اور اسے خود اپنی مکمل طور پر دیکھ بھال کرنا ہے اور اقدار میں ایک ہی بنیاد ہے اور وہ ہے انسان کی آزادی، انسان جو بھی اقدار متعین کرتا ہے اس کا کوئی بامقصد یا خارجی سبب نہیں، متفق علیہ اقدار کے وجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یا فرد وجماعت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر انفرادی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی، یا جس کی وجہ سے منصفانہ وعادلانہ تخصیص اور بازاری طاقتوں سے براہ راست سامنا کئے بغیر وسائل کی ایک فنی معیار پر تقسیم ہو، آزادی مطلق کا یہ تصور تو اخلاقی اقدار کو صرف ناکارہ ہی بنا سکتا

ہے، کسی بھی فرد کے تعلق سے اس کی آزادی ناگزیر ہے، مگر پورے معاشرے کی فلاح بھی تو اتنی ہی اہم ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ بعض بندشیں معاشرے کے حق میں ہوتی ہیں جن کا افراد پر عائد کرنا لازمی ہوتا ہے، تا کہ وہ دوسروں کی حق تلفی نہ کریں اور ان کی فلاح کو خطرے میں نہ ڈالیں، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ پابندیاں کون عائد کرے؟ اس سوال کا جواب انسان کی پانچویں ضرورت کی بحث کے دوران دیا جائے گا۔

انسان کی دوسری ضرورت انصاف ہے۔ عزت انسانی، احترام ذات، بھائی چارہ، باہمی مساوات اور ہر ایک کی خوشحالی کے مقاصد کا مکمل لحاظ رکھا جائے، کیونکہ اگر معاشرتی واقتصادی عدل ان کے ساتھ وابستہ نہ ہو تو یہ محض مجرد تصورات ہی رہ جائیں گے، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے عدل کو تقوی سے قریب بتایا ہے "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى" (5:8) (انصاف کرو، کیونکہ وہ تقوی سے قریب تر ہے) شریعت اسلامی میں اس کی بڑی اہمیت ہے، ایک فطری امر کے طور پر تقوی کی بڑی اہمیت ہے، کیونکہ وہ بشمول عدل کے سبھی درست اعمال کا نقطۂ آغاز ہے۔

عدل قائم کرنا پیغمبروں کی ایک بنیادی ذمہ داری تھی: "لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ" (القرآن، 57:25) (ہم نے اپنے پیمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور عدل نازل کیا، تا کہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو بھی نازل کیا کہ اس کے اندر شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں اور اس لئے بھی تا کہ اللہ جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے پیمبروں کی مدد کون کرتا ہے، بے شک اللہ بڑا قوت والا ہے، بڑا زبردست ہے)۔

قرآن کریم نے تاکید کے ساتھ کہا ہے کہ بغیر عدل کے امن وسلامتی ممکن نہیں:

"اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولٰئِکَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" (قرآن:6:82) (جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کوشرک سے مخلوط نہیں کیا ایسوں ہی کے لئے تو امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں)۔عدل کی عدم موجودگی کا نتیجہ فساد و بگاڑ اور بدحالی ہوتا ہے: "وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْماً" (قرآن:20:111) (اور چہرے جھکے ہوئے ہوں گے حی وقیوم کے سامنے اور قطعی ناکام رہے گا وہ جوظلم لے کر آئے گا) نبی ﷺ نے نہایت واضح الفاظ میں ظلم کی مذمت کی ہے: "الظلم ظلمات یوم القیامة" (صحیح مسلم کتاب البر والصلة والادب، باب تحریم الظلم)، آپ نے اپنے اس ارشاد میں ناانصافی اور مطلق تاریکی کو یکساں قرار دیا ہے، قیامت اور آخرت کی تاریکیاں ظلم کے سبب اس زندگی میں ہونے والی تاریکیوں کا پرتو ہیں، یہ تاریکیاں معاشرتی تحفظ، پائیدار ترقی اور امن وسلامتی کے ماحول کے لئے کی جانے والی کوششوں کو ختم کرسکتی ہیں اور نتیجۃً بغاوت ونافرمانی، کشمکش اور زوال وانحطاط کے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اور ظلم دونوں یکجا نہیں ہوسکتے، کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کی جڑ اکھاڑے یا اسے کمزور کئے بغیر ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، ظلم ایک ہمہ گیر اسلامی اصطلاح ہے جو ہر ناانصافی، استحصال، وعدہ خلافی، قبیح اعمال وافعال اور ہر وہ شئے جس کے ذریعہ کوئی انسان دوسرے انسان کو نقصان پہنچاتا ہے ان کو ان کے حقوق سے محروم کرتا ہے، کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

عدل کے متعلق قرآن وسنت کی اس تاکید کی جھلک تقریباً سبھی کلاسیکی مسلم علماء کی تحریروں میں ملتی ہے، مثلاً ماوردی (متوفی ء1056 / 450 H) کہتے ہیں: "ہمہ گیر عدل، جذبات واحساسات، باہمی پیار، اعلیٰ معیار کی اتباع، ملک کی ترقی، دولت کی فراوانی، نسل کی افزائش اور حاکم کے تحفظ عدل کے لئے نہایت ضروری ہے، عالمی نظام کو برباد کرنے اور لوگوں کے ضمیر

مردہ کرنے میں ناانصافی سے زیادہ کارگر کوئی دوسری شئے نہیں''، ابن تیمیہ (متوفی ء 728 H/ 1328) نے زور دے کر کہا ہے کہ ''ہر فرد پر اور ہر شئے کے تئیں انصاف کرنا واجب ہے، کسی بھی چیز اور کسی بھی فرد پر ظلم ممنوع ہے، ظلم مطلقاً ناجائز ہے، چاہے وہ مسلم کے ساتھ ہو یا غیر مسلم کے ساتھ، یہاں تک کہ ظالم شخص کے ساتھ بھی ظلم روا نہیں''۔

ابن تیمیہ نے اپنے زمانے میں رائج کہاوتوں کی صداقت پر بھی زور دیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی منصف حکومتوں کی حفاظت فرماتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، وہ ظالم حکومت کی حفاظت نہیں فرماتا، خواہ وہ مسلم ہی کیوں نہ ہو۔

ابن خلدون (متوفی ء1406 / 808H) نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کوئی بھی مملکت ظلم کے ساتھ ہمیشہ ہرگز قائم نہیں رہ سکتی، اس کے باوجود معاشرے کے افراد کی طرف سے سلوک وبرتاؤ کے متعین اصولوں کی مخلصانہ رعایت کے بغیر کبھی بھی عدل کی ضمانت ممکن نہیں ہوسکتی، انہیں اصولوں کو ادارتی اقتصادیات (institutional economics) کے اداروں اور دین کے نظریۂ عالم میں اخلاقی اقدار یا روحانی قدار کا نام دیا گیا ہے، ان میں سے بعض اقدار یہ ہیں: امانت، ایمان داری وغیر جانبداری، ایفاءِ وعدہ، زندہ ضمیر، صبر واستقلال، خود اعتمادی، عفو و درگزر اور رواداری، تواضع وانکساری، اخراجات میں کفایت شعاری، بزرگوں، اساتذہ اور والدین کا احترام، غریبوں کے ساتھ ہمدردی ورعایت، نیز لاچار و بےبس لوگوں اور پچھڑے طبقات کے ساتھ ہمدردی وغمگساری، ان اقدار سے نہ صرف اپنے، بلکہ دنیا کے سبھی معاشروں میں دوسروں کے حقوق وواجبات کی رعایت اور لوگوں کے درمیان اعتماد، پیار ومحبت کے جذبات پیدا ہوں گے، لوگ ایک دوسرے کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں گے اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا تعاون کرے گا اور اس طرح خاندان ومعاشرہ میں، اجتماعی تحفظ، رواداری، پرامن طور پر ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی فضا ہموار ہوگی اور معاشرتی مسائل

ومشکلات پر روک لگے گی، مساوات اور صلاحیت ولیاقت کو بڑھاوا دینے کے لئے ضروری اور اجتماعی سرمایہ میں اضافہ ہوگا اور بالآخر تیز رفتار ترقی اور انسانی فلاح وبہبود کا مقصد حاصل ہو سکے گا، یہی وجہ ہے کہ اخلاقی ارتقاء اگر سبھی لوگوں کی فلاح وبہبود کے لئے ہوتو اسے انسان کی تیسری ضرورت سمجھا جاتا ہے،مزید برآں اس سے اسلامی تصورحیات کی حمایت بھی ہوتی ہے، اگر عالمی پیمانے پر قوت نافذہ رکھنے والا کوئی نظام نہ ہوتو اخلاقی اقدار کے سلوک وبرتاؤ کے اصول کی مخلصانہ رعایت ناممکن ہے۔ اس کی بحث تقویت ایمان کے دوسرے مقصد اصلی کے ذیل میں آئے گی۔

اسلام کے نظریۂ عالم میں جان ومال اورعزت وآبرو کی حفاظت کو انسان کی چوتھی ضرورت تسلیم کیا گیا ہے۔قرآن کسی بھی انسان کے قتل کو چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم پوری انسانیت کا قتل اور کسی کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے کے مثل قرار دیتا ہے:"مِنْ أَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيْلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِّغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَکَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً وَمَنْ أَحْيَاهَا فَکَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعاً وَّلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ کَثِيْراً مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ" (قرآن:5:32)(اسی باعث ہم نے بنی اسرائیل پر یہ مقرر کردیا کہ جوکوئی کسی کو کسی جان کے (عوض کے)یا زمین پر فساد (کے عوض) کے بغیر مار ڈالے تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو مار ڈالا اور جس نے ایک کو بچالیا تو گویا اس نے سارے آدمیوں کو بچالیا اور یقیناً ان لوگوں کے پاس ہمارے پیمبر کھلے ہوئے احکام لے کر آئے اس پر بھی ان میں کے بہت سے لوگ زمین میں زیادتی کرنے والے ہی رہے)۔

یہ ایک فطری حقیقت ہے، اس لئے کہ انسانی حیات واخوت کے احترام کے اسلامی پیغام کا کوئی مطلب ہی نہیں نکلتا اگر پورے بنی آدم جس میں مسلم وغیر مسلم شامل ہیں کی جان کو

مقدس نہ تصور کیا جائے، جیسا کہ مسلمانوں کے تعلق سے یہ بات کہی گئی ہے، اسی طرح نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا تھا: ''تم سب کی جان، عزت وآبرو اور مال اس دن (حج)، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت کی طرح تم پر حرام ہیں''۔ چونکہ حج کو اسلام میں بے حد تقدس حاصل ہے، ہر فرد کی جان وعزت اور مال اسی طرح مقدس ومحترم ہیں۔

انسان کی پانچویں ضرورت آزادی ہے، جو اُس کی شخصیت کے ارتقاء کے لئے لازمی وضروری ہے، اس کے بغیر انسان ایجادات اور جدت وتنوع کے لئے ضروری محرکات وجذبات سے محروم ہوجاتا ہے، جن سے اُس کی ترقی وخوشحالی وابستہ ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ ہونے کے ناطے کسی غیر اللہ کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم ذمہ داری انسان پر عائد بے جا قیود وبوجھ کو ہلکا کرنا بھی تھا: ''اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْباً عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتُ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْ أُنْزِلَ مَعَهٗ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ'' (قرآن: 7:157) (جو لوگ اس امی رسول ونبی کی پیروی کرتے ہیں جسے وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیک کاموں کا حکم دیتا ہے، انہیں برائی سے روکتا ہے اور ان کے لئے پاکیزہ چیزیں جائز بتاتا ہے اور ان پر گندی چیزیں حرام رکھتا ہے اور ان پر سے بوجھ اور قیدیں جو اُن پر (اب تک) تھیں اتارے دیتا ہے سو جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائے اور اس کا ساتھ دیا اور اس کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو اس کے ساتھ اتارا گیا ہے سو یہی لوگ تو ہیں (پوری) فلاح پانے والے)۔ وجہ ظاہر ہے اسلام میں کسی بھی طرح کی معاشرتی، سیاسی، یا اقتصادی غلامی ناپسندیدہ ہے، چنانچہ کسی بھی شخص یہاں تک کہ حکومت کو بھی اس آزادی کو سلب کرنے یا انسان کو کسی بے جا شروط و

قیود کا پابند کرنے اور ظالم نظام کو ماننے پر مجبور کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ انہیں تعلیمات کا اثر تھا کہ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ نے سوال کیا تھا: ''تم نے انسان کو غلام کیسے بنالیا، جبکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد جنا''۔

انسان اللہ کا جانشین ہے، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسے سارتر کے فلسفہ وجودیت والی مطلق آزادی حاصل ہے، نہ صرف ان کی خوشحالی و بہبودی، بلکہ تمام مخلوقات خدا کی بھلائی کے لئے اخلاقی اقدار ان کی آزادی کو متعین کرتے ہیں، انسان کی تخلیق کے زمانے میں ملائکہ کو جب معلوم ہوا کہ وہ اپنے اقدام کے مطابق تصرف کی آزادی کے ساتھ اللہ کا زمین پر نائب ہوگا، انہیں لگا کہ یہ آزادی زمین کے بگاڑ اور خون خرابے کا باعث ہوگی: ''وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيْفَةً قَالُوْا أَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِکُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَنُقَدِّسُ لَکَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُوْنَ'' (القرآن: 2:30) (اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں وہ بولے کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہائے گا درآنحالیکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں، اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں (اللہ نے) فرمایا یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔ ان کی اس رائے کا غالباً سبب یہ ہوا کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کرنے سے قاصر رہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کو آزادی عطا کرنے کے ساتھ ساتھ تین دوسرے ایسے بنیادی عناصر سے بھی نوازے گا جو ان کے لئے ملائکہ کے اخذ کردہ نتائج کے برخلاف زندگی گذارنے میں معاون ہوں گے۔

ان بنیادی عناصر میں ایک ضمیر انسانی ہے، جو کہ اس کی اس فطرت کا پرتو ہے جس پر اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے: ''يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَراً وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَداً بَعِيْداً وَّيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ" (قرآن: 3:30) (جس روز ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور (اسی طرح) ہر بُرے کام کو بھی (اس روز) تمنا کرے گا کہ کاش اُس شخص اور اس دن کے درمیان مسافتِ بعید ہوتی اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے)۔ اگر اس فطرت کی حفاظت نہیں کی گئی تو انسان گھٹیا سے گھٹیا ہوسکتا ہے: "ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ" (قرآن: 95:5) (پھر ہم اسے پستوں سے بھی پست کر دیتے ہیں)۔

مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس پستی میں گرنے سے بچانے کے لئے ایک دوسرا اور اہم عنصر اسے عطا کیا ہے اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام کے سلسلے کے توسط سے تاریخ کے ہر دور میں ہر قوم فرد کے لئے ہدایت کا نزول۔ اس ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس دنیا میں اپنے معاملات کو اس طرح انجام دیں کہ ہر ایک کی فلاح و بہبودی کی حصولیابی کے ساتھ ساتھ انسان بطور جانشیں خدا کا فریضہ بھی پورا کر سکے، لہٰذا آزادی کا استعمال ہدایت کے اس زاویہ کے اندر ہونا ضروری ہے جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے۔

تیسرا بنیادی عنصر عقل ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو سرفراز کیا ہے، ہدایت خداوندی اور انسانوں کے اپنے ضمیر کی روشنی میں جب تک اس عقل کو کام میں لایا جاتا رہے گا حکمت و دانائی کے ساتھ اسلام کے نقطہ نظر کو کارگر بنانے کے لئے آزادی کا استعمال ہوسکتا ہے نہ کہ فساد پھیلانے اور خون بہانے کے لئے جو کہ اسلام کے نظام اقدار کے مطابق بدترین جرائم میں شمار کیا جاتا ہے۔

یہ ہمیں انسان کی چھٹی ضرورت کی طرف لے جاتی ہے جو کہ تعلیم و تربیت میں اعلا ترین جدت و تنوع کے ذریعہ عقل و فکر کو وسعت دینا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت مشترکہ مقاصد کو پورا کریں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اسلام کے اخلاقی اقدار اور عالمی تصور کی روشنی معاشرے کے سبھی ارکان تک پہنچانا اور ان کو یہ پیغام دینا کہ وہ زمین پر اللہ کے نائب اور خلیفہ ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تعلیم وتربیت محنت ومشقت اور ضمیر کی رعایت کے ساتھ کارگر طریقے سے پوری لیاقت کا استعمال کرتے ہوئے کام کی انجام دہی تک ہی محدود نہ ہوں، بلکہ وہ معاشرے کے لئے سائنس وٹیکنالوجی کے میدان کو بھی وسعت فراہم کرتے ہوں، اخلاقی معیار بلند کئے بغیر اور سائنس وٹیکنالوجی کی بنیاد کو وسعت دیئے بغیر عقل کو وسعت فراہم کرنا اور تیز وپائدار ترقی میں اہم کردار ادا کرنے کے لائق بنانا کچھ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وسنت نے تعلیم وتربیت پر کافی زور ڈالا ہے جس کی بحث شریعت کے تیسرے بنیادی مقصد عقل وفکر کی ترقی وتوسیع کے موضوع کے ذیل میں کی جائے گی۔

حکومت راشدہ جس کی زیادہ تر بحثیں دین کے موضوع کے ذیل میں آئیں گی انسان کی شخصیت کے لئے ناگزیر چھٹی ضرورت ہے، سیاسی استحکام اور حکومت راشدہ کے بغیر معاشرے میں اصولی معاملات کی تنفیذ ناممکن ہوجاتی ہے، ایسی صورت میں اصول کی خلاف ورزی عام ہونے لگتی ہے، ذاتی تقویت، استحکام کے عوامل اور متعین طریقے پر اعتماد کے سبب وہ جڑ پکڑ لیتی ہے تب فساد بڑھنے لگتا ہے، صلاحیتیں مفقود ہونے لگتی ہیں اور انسان کی ضروریات احسن طریقے سے پوری نہیں ہوپاتیں۔ اسی سبب سے پوری تاریخ اسلامی میں اکثر علماء نے جن میں ابو یوسف، الماوردی، ابن تیمیہ اور ابن خلدون شامل ہیں، حکومت راشدہ کے قیام پر بے حد زور دیا ہے۔ گذشتہ چند صدیوں میں مسلمانوں کے زوال و انحطاط کا ایک عمومی سبب حکومت راشدہ کا نہ ہونا مانا گیا ہے۔

انسان کی عزت وشرافت اور عدل واخوت پر اسلام کا اصرار ہمیں منطقی طور پر آٹھویں ضرورت کی طرف لے جاتا ہے جو کہ غربت کا خاتمہ اور انسان کی تمام بنیادی ضرورتوں کی تکمیل سے

متعلق ہے،غربت ولاچاری اور بے بسی دوسروں پر انحصار کا سبب بنتی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ممکن ہے کہ تنگ دستی انسان کو کفر تک پہنچادے، وہ اسلامی تعلیمات میں موجودہ عزت انسانی کے مقصد کے مغایر ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ غربت کا خاتمہ انسان کے زیر تصرف تمام وسائل کے منصفانہ ومساویانہ تقسیم کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا، یہ سبھی وسائل-جیسا کہ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں-اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہدیہ ہیں۔اوراس ہدیہ کی ایک شرط یہ ہے کہ اس سے ایسی ذمہ داری کے ساتھ استفادہ کیا جائے کہ سب کی ضرورتیں پوری ہوں۔

غربت کا خاتمہ اور معاشرے کے سبھی افراد کی ضروریات کی تکمیل کو پوری تاریخ اسلامی کے دوران اسلامی ادبیات اور فقہ میں اہم مقام حاصل ہے،فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ غرباء کی حاجات اصلیہ کا خیال رکھنا مسلم معاشرے پر فرض کفایہ ہے۔حقیقت تو یہ ہے کہ خود معاشرے کے وجود کا وہ سبب ہے،جیسا کہ امام شاطبی فرماتے ہیں۔دور جدید کے علماء کا بھی متفقہ فیصلہ یہی ہے۔ان حضرات میں مولانا مودودیؒ، امام حسن البناءؒ،سید قطبؒ،مصطفیٰ سباعی، ابوزہرہ، باقر الصدرؒ،محمد المبارک اور یوسف القرضاوی شامل ہیں۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ضرورت اور اس کی تکمیل جو فرد ومعاشرہ پر واجب ہے اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟

فقہاء نے حاجتوں کو تین زمروں میں تقسیم کیا ہے: ضروریات ، حاجیات اور تحسینیات۔ان میں سے ہر ایک کی انہوں نے تعریف کی ہے،اشیاء وخدمات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو مصائب ومشکلات کو دور کرنے،سکون قلب ومسرت فراہم کرنے اور کسی متعین ضرورت کو پورا کرنے اور انسانی فلاح وبہبود میں حقیقی اختلاف کا باعث ہیں۔فقہاء نے ان سہولیات کو درج نہیں کیا ہے جنہیں مرغوب اشیاء وخدمات کا نام دیا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ سماج کے دوسرے طبقوں پر تکبر کے جذبہ کو فروغ دیتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کسی شخص کی حقیقی خوشحالی پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ضروریات کے علاوہ ان سبھی سامان تعیش کو فضول خرچی، اسراف اور انفرادی

غلو تصور کرتے ہیں اور شدت سے اس کی تردید کرتے ہیں۔

تاہم ہمیں یہ ملحوظ رکھنا ہے کہ اسلام نے رہبانیت اور ایسی زندگی جو اپنے وجود اور دنیا کی منکر ہو اس کی موافقت نہیں کی ہے، اشیاء وخدمات کو مذکورہ بالا تین زمروں میں تقسیم کرنا نمونے کے طور پر ہے، اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہر انسان اپنی صلاحیت وخوشحالی کے مطابق ضروریات وحاجیات کی تکمیل کرے۔ اشیاء وخدمات کے یہ تینوں زمرے کسی بھی معین مسلم معاشرے کی معیشت، عام معیار، اور دولت کے عکاس ہوں۔ معیشت کے معیار بلند ہونے، دولت کی زیادتی اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ زمانے کے مطابق ضروریات کا پیمانہ بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت پہلے کے مقابلے میں اکثر مسلم ممالک زیادہ مالدار ہو گئے ہیں اور وہ اس حالت میں ہیں کہ سابقہ اسلامی معاشروں کے مقابلے میں بہتر طریقے سے ضروریات کی تکمیل کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں ضروریات زمان ومکان کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

بعض وہ چیزیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود نہیں تھیں آج انہیں ضروریات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ معاشرے کے دوسرے طبقے پر تکبر کا اظہار نہ ہو یا مختلف معیشتوں کے مابین بہت زیادہ فرق نہ ہو کہ جس سے اجتماعی تحفظ اور اخوت اسلامی کے روابط پر آنچ آئے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں فرسودگی اور جمود وتعطل پیدا کرنے والی حالت پیدا نہ ہونے دی جائے۔ جدت وتنوع پر منفی اثر ڈالے بغیر بھی طرز حیات میں سادگی لانا ممکن ہے۔

چونکہ بھیک مانگنا احترام آدمیت کے خلاف ہے، اس لئے اسلام اس کی ہمت افزائی نہیں کرتا، چنانچہ انسانی عزت وشرافت کو باقی رکھنے کے لئے نویں ضرورت یہ ہے کہ انسان کی

ضرورت کی تکمیل خود اس کی محنتوں کے ذریعہ ہو، چنانچہ ہر مسلمان پر روزی تلاش کرنا فرض ہے، تا کہ وہ اور اس کے اہل خانہ اپنی معاشی ضرورتیں خود پوری کرسکیں، اسی طرح نبی ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کچھ پیشوں میں مہارت حاصل کریں، تا کہ باعزت طریقے سے کسب معاش کے اہل بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے شخصی جد وجہد کے ذریعہ کسب رزق کے مقصد کو حاصل کرنے پر کافی زور دیا ہے جس کے بغیر انسان اپنی صحت وتندرستی کو باقی رکھتے ہوئے عقل وجسم کی حفاظت پر قادر نہیں ہوسکتا، چہ جائیکہ وہ عبادات کے واجبات کی ادائیگی پر قادر ہوسکے۔ اس کے علاوہ وہ اس زمین پر نائب خدا کے طور پر اپنی دوسری ذمہ داریوں سے بھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ مسلم معاشرہ پر فرض کفایہ ہے کہ وہ اپنی معیشت کو اس طرح منظم کریں کہ اس دنیا میں اپنی کوششوں اور صلاحیتوں کے بقدر ہر شخص کو روزی روٹی کمانے کے مناسب مواقع حاصل ہوں، قلیل مدتی مالیاتی نظام کے فروغ نے ثابت کردیا ہے کہ دوسروں کے پاس ملازمت حاصل کرنا اور ذاتی کام کاج شروع کرنے کے مواقع کے حصول کی انسان کے اندر بھرپور صلاحیت ہوتی ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے مسلم ممالک میں اولیت دی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ جو لوگ کسی مجبوری یا معذوری کے سبب کسب معاش پر قادر نہیں ہیں ان کے لئے مناسب بندوبست کیا جائے، اس کے لئے اسلام نے اوقاف، صدقات وزکوۃ جیسے اداروں کے ذریعہ ایسے لوگوں کی اعانت کے لئے انفرادی تعاون کے پروگرام کو چلانے کا حکم دیا ہے، تا کہ بغیر ذلت ورسوائی کے ان کی ضرورتیں پوری ہوسکیں، حالانکہ محض ان اداروں کے ذریعہ ضروری وسائل کی فراہمی ممکن نہیں ہے، حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس میں ثانوی کردار ادا کرے۔

قرآن مجید نے حکم دیا ہے کہ دولت گھوم پھر کر مالداروں کے درمیان مرتکز نہ ہونے

پائے: ''كَيْ لاَ يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ'' (قرآن: 59:7) (تا کہ وہ (مال فئے) تمہارے تونگروں ہی کے قبضہ میں نہ آجائے)۔ اس تصور کے مطابق دسویں ضرورت یہ ہے کہ دولت وآمدنی کی تقسیم برابر ہو، اس کا سبب یہ ہے کہ بے انتہا فرق کی وجہ سے اپنی لیاقتوں سے استفادہ پر قدرت نہ رکھنے والے تنگ دست لوگوں کی عزت وآبرو خطرے میں پڑسکتی ہے، عدم مساوات کو روکنے کے ان کارگر منصوبوں میں اگر کسی بھی طرح کی کوتاہی ہوتو اس کی وجہ سے اسلام کا اخوت وبھائی چارہ کا نظریہ فروغ پانے کے بجائے تباہ ہوسکتا ہے، اسی بناء پر اسلام نہ صرف بنیادی طور پر اور باعزت طریقے سے روزی روٹی کما کر ہر شخص کی ضروریات کو پورا کرنے اور غربت کے خاتمہ کا حکم دیتا ہے، بلکہ اوقاف وصدقات اور زکوۃ کے اجتماعی مخصوص معاونت کے منصوبوں پر بھی زور دیتا ہے، دولت وآمدنی کی عادلانہ تقسیم کے مقصد کو پانے کے لئے ان خیراتی عطیات اور اداروں پر کلی طور پر بھروسہ کرلینا غلطی ہوگی، اسی طرح ترقیاتی پروگراموں میں تیزی لانا بھی ضروری ہے۔ دولت کے موضوع پر بحث ومباحثہ کے ذیل میں اس پر مزید گفتگو کی جائے گی۔ شریعت کی موافقت کی شرط کے ساتھ پوری دنیا میں جو طریقے مفید ثابت ہوچکے ہیں ان کو اپنانا چاہئے۔

گیارہویں فطری ضرورت جو معاشرے کے ہر مرد وعورت کے لئے ناگزیر ہے وہ عقد کے ذریعہ شریک حیات کا وجود ہے۔ اس کی غرض وغایت محض جنسی خواہش کی تکمیل نہیں، بلکہ ایک ہم سفر شریک حیات کی تلاش ہے، تا کہ محبت والفت، باہمی رعایت وہمدردی کے ذریعہ دونوں کو سکون قلب ومسرت میسر ہوسکے۔ قرآن کریم کہتا ہے: ''وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ'' (قرآن: 30:21) (اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں، تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی

میاں بیوی کے)درمیان محبت وہمدردی پیدا کردی بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جوفکر سے کام لیتے رہتے ہیں)۔

اس مقصد کی حصولیابی میں ازدواجی زندگی اسی وقت معاون ہوسکتی ہے جب میاں بیوی کا ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ اچھا ہو،ہر ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوں،مشترکہ مصلحت کی خاطر ذاتی مصلحت کوقربان کردینے کا ان کے اندر شوق موجود ہو۔شوہر وبیوی کے مابین رعایت ومروت اورمحبت وہمدردی پر قائم اس رشتے کے نتیجہ میں ایک پائدار خاندان وجود میں آتا ہے جو نہ صرف محبت ورعایت پر مبنی آنے والی نسلوں کی تربیت کے لئے، بلکہ ترقی اورخود معاشرے کی بقاء کے لئے بھی ناگزیر ہے۔

شوہر و بیوی کے درمیان سکون قلب،مسرت وشادمانی اور پیار ومحبت کا ماحول پیدا کرنے کے لئےقرآن نے مردوں کےحقوق کے برابرعورتوں کےحقوق متعین کئے ہیں:"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ"(قرآن2:228) (اورعورتوں کا بھی حق ہے، جیسا کہ عورتوں پرحق ہےموافق دستور(شرعی) کے) اورمردوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ پیش آئیں:"وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"(قرآن:4:19)(اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزربسر کیا کرو) اوران کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کونبھائیں: "وَلاَ تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ إِنَّ اللّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ" (قرآن2:237) (اورآپس میں لطف واحسان نظر انداز نہ کروتم جوکچھ بھی کرتے ہواللہ یقیناً اس کا خوب دیکھنے والا ہے)،اور نبی ﷺ نے ان آیتوں اوراس طرح کی دوسری آیتوں کواپنے ارشادات کے ذریعہ مستحکم فرمایا ہے۔"عورتیں مردوں کے ہم پلہ ہیں" اوراپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں مردوں کوحکم دیا کہ وہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈریں، اس لئے کہ مردوں نے عورتوں کو" اللہ کی طرف سے ہدیہ" کےطور پرقبول کیا ہے، دوسرے موقع پر نبی ﷺ نے عورتوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے

ہوئے ان کا مال ہڑپ کر جانے سے ڈرایا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے لڑکیوں کو کم تر اور لڑکوں کو افضل تصور کرنے سے منع فرمایا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت ساری حدیثیں ہیں جن کی تشریح مرد وعورت کے درمیان مساوات کی شہادت کے طور پر کی جاسکتی ہے (رتبے میں وہ ان سے کمتر نہیں ہیں) اور یہ کہ انسان کی خوشحالی اور کامیابی کو یقینی بنانے میں عورتوں کا کردار مردوں کے مساوی ہے۔

خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب (متوفی ء644 H/23) اپنے خیالات یوں بیان فرماتے ہیں: ''زمانۂ جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، لیکن اسلام کے آنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا خیال رکھنے کا حکم فرمایا تو ہم نے جانا کہ ہم پر ان کے بھی حقوق ہیں۔''

اگر شوہر و بیوی کے درمیان اچھے تعلقات اور بہتر اخلاق اور والدین کی طرف سے محبت پر مبنی بچوں کی تربیت صحیح طریقہ پر ہوئی تو اس سے انسان کی بارہویں ضرورت خاندانی نظام واجتماعی تحفظ کی تشکیل مناسب طریقہ پر ہوسکتی ہے۔

انسان کے لئے ابھی ابھی مذکور بارہویں ضرورت کی تکمیل ماحول کی تشکیل کے لئے مطلوب ہے، جہاں انسان کی تیرہویں ضرورت پوری ہوسکے اور وہ ہے ممکنہ حد تک معاشرتی خلفشار اور جرائم کی روک تھام۔

جب ان تیرہ ضروریات کی تکمیل ہوجاتی ہے تو انسان یہ امید کرسکتا ہے کہ سکون قلب اور مسرت کی چودھویں ضرورت بھی پوری ہو، ان ضروریات کی تکمیل کے مثبت اثرات نہ صرف حیات انسانی، عقل ونسل اور مال پر مرتب ہوں گے، بلکہ دین کے لئے ایک زیادہ مناسب وموافق ماحول پیدا ہوسکے گا جہاں اس کی تفہیم وتنفیذ بہتر طریقے سے ہوسکے گی۔ یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ سیاست واقتصادیات اور معاشرے کے تمام میدانوں میں پائدار ترقی کو یقینی بنانے کی ایک لمبی مسافت طے کی جائے۔

دین وعقل اور نسل و مال کو وسعت دینا

چونکہ شریعت کا مقصد اصلی تمام انسانوں کی کامیابی اور فلاح وبہبود کی ضمانت ہے، یہ مقصد نفس انسانی کی اصلاح وتقویت کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے دوسرے چار بنیادی مقاصد (دین، عقل، نسل، مال) کا استحکام بھی لازمی ہے، انسان کی فلاح وبہبود اور اصلاح میں ان چاروں عناصر کا بڑا اہم رول ہے، بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کرتے ہوئے اگر ان چاروں مقاصد کو استحکام نہ بخشا گیا اور حاضر و مستقبل کی نسلوں کی فلاح وبہبودی کا اعلیٰ معیار متعین نہ کیا گیا تو یہ مقصد بھی فوت ہوجائے گا، یہاں تک کہ مستقبل میں خود تہذیب وتمدن کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔

پہلا سوال جو قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ دین کو نفس انسانی کے بعد مقام کیوں دیا گیا، جبکہ آج کی دنیا میں سیکولرزم لبرلزم اور مارکسزم کا بقیہ تمام چیزوں پر تسلط ہے۔ ترتیب مقاصد میں دین کو جو اہمیت دی گئی ہے کیا وہ اس کا مستحق ہے؟ اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ انسان ہی ترقی کا مقصد و وسیلہ ہے، لہٰذا اس کی اصلاح اور فلاح وبہبود کو بہت زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔

دین کا نظریۂ عالم نفس انسانی کی اصلاح کی ضمانت کے لئے عظیم صلاحیتوں کا استعمال ہے جن کے ذریعہ انسان کی روحانی اور مادی ضرورتوں کی تکمیل کو یقینی بنایا جاسکتا ہے جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا ہے، مقصد زندگی کی حصولیابی ومطلب وذرائع کو بھی متعین کرنا ضروری ہے جو انسانی جدوجہد کو صحیح رخ دے سکے اور ان کے رویہ، طرز حیات، ذوق وشوق، عقائد ومسلمات خود اس کے اور خالق کے تئیں اس کے موقف، نیز دوسرے انسانوں اور اس کے زیر تصرف وسائل اور ماحول کے تئیں اس کے موقف میں اصلاح وتبدیلی کے ذریعہ اس کو نیک اور صالح انسان بنا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس کی طرف پوری وضاحت کے ساتھ اشارہ کیا ہے: "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ

تَزَكّٰی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی" (القرآن 15-14 :87) (اپنے رب کو یاد کرنے والے، نماز پڑھنے والے اور تزکیۂ نفس کرنے والے کامیاب ہیں) نیز: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" (القرآن: 10-9-91) (وہ یقیناً بامراد ہوگیا جس نے اپنی جان کو پاک کرلیا اور وہ یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو دبا دیا)، اسی کی روشنی میں مسلم دانشوروں نے انسان کی اصلاح اور اس میں دین کے اہم کردار پر کافی زور ڈالا ہے۔

ٹوائن بی اور دیوراتس نے تاریخ کے اپنے وسیع مطالعے کے بعد بالکل درست نتیجہ نکالا ہے کہ اخلاقی معیار کی بلندی اور اجتماعی تحفظ دینی محرک کے بغیر ممکن نہیں، ٹوائن بی زور دے کر کہتے ہیں: "ادیان اپنی دعوتی سرگرمیوں اجتماعی واجبات کے مفہوم کو بگاڑنے کے بجائے اس میں تیزی لانے کی طرف مائل نظر آتے ہیں" اخوت انسانی کو بہت پہلے ہی باپ خدا (ان کی تعبیر کے مطابق) فرض کر چکے ہیں۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ انسانی سماج کی بقاء کے لئے اور انسانی اخوت کو باقی رکھنے کے لئے خاندانی نظام کی تشکیل سے بے نیازی ممکن نہیں، جو انسانیت کو ایک دوسرے سے جوڑ سکے اور دوسرے ناحیہ سے ویل اور آرینیل دوراں نے اپنی عظیم الشان کتاب "مطالعات تاریخ" میں شدت سے محسوس کیا ہے کہ اس زمانے سے قبل تاریخ میں کوئی ایسی پختہ مثال نہیں ملتی کہ کوئی بھی معاشرہ دین کے تعاون کے بغیر اخلاقی زندگی کی حفاظت کامیابی کے ساتھ کرسکا ہو۔

آخر کیوں اخلاقی ارتقاء اور اجتماعی تحفظ دین کی مدد کے بغیر ممکن نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اخلاقی ارتقاء کے دو اہم تقاضے ہیں: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں کوئی دو رائیں نہیں کہ یہ امور بذات خود ضروری ہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ اخلاقی ذمہ داری کے احساس کے فریم ورک میں ہر شخص کی طرف سے ان اصولوں کی رعایت اس حد تک ہو کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والے لعنت وملامت کے مستحق قرار پائیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بغیر کسی قیل وقال کے ایسے اصول تک رسائی کیسے ہو جن کو ہر شخص مان لے، کیا ان اصولوں تک ''معاہدہ عمراتی یا سماجی سمجھوتہ'' (Social Contract) کے ذریعہ رسائی ممکن ہے جسے بہت سے جدید سیکولر فسلفی اور ماہرین سیاسیات پیش کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں ممکن ہے، مگر اس کی شرط یہ ہے کہ بحث ومباحثے میں شامل سبھی افراد فکری، سماجی اور اقتصادی اعتبار سے اس طرح برابر ہوں کہ پسندیدہ اصول کی تشکیل میں ان میں سے ہر ایک کا رتبہ یکساں ہو، لیکن اس طرح کی مساوات قائم کرنا محال ہے، کیونکہ طاقتور اور مالدار لوگ فیصلہ لینے کے عمل پر غلبہ حاصل کرسکتے ہیں جس سے ایسے اصولوں کی تشکیل ہوگی جو ان کے مخصوص مفادات کی حفاظت کرسکیں اور اس سے اس کی ہر دل عزیزی ختم ہوجائے گی، لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کام کی انجام دہی کے لئے خارج کی کوئی ایسی ذات ہو جو ہر بھلائی اور ہر چیز پر قادر ہو، غیر جانب دار اور منصف ہو، انسان کی قوتوں اور کمزوریوں سے واقف ہو، ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرسکے، بلا کسی فرق وامتیاز کے سب کی بھلائی کا خیال رکھ سکے اور جس کے بس میں ہو کہ نہ صرف قلیل مدت کے لئے، بلکہ طویل عرصے کے لئے بنائے گئے اصول کے اثرات کا تجزیہ کرسکے، اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے اس کائنات اور خود انسان کے خالق ومالک سے زیادہ مستحق کون ہوسکتا ہے؟

خالق کائنات نے اس کام کو انجام دیا ہے اور اسلام کے نظریۂ عالم کے مطابق، جیسا کہ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے اللہ تبارک وتعالی نے اپنے رسولوں کے ذریعہ تاریخ کے ہر دور میں ہر انسان تک اپنی ہدایت بھیجی ہے، یہ انبیاء جن میں ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور خاتم النبیین محمد ﷺ شامل ہیں سب کے سب انسانوں میں سے ہی تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ آئے ادیان کے نظامِ اخلاق، اور عالمی بنیادی تصور میں اس حد تک تسلسل اور مشابہت برقرار رہے کہ زمانے کے ساتھ اس کا پیغام مفقود نہ ہوا ہو، یا اس میں

کوئی بگاڑ نہ آیا ہو، اور انسان نائب خدا ہونے کی حیثیت سے خالق کے متعین کردہ اصول کی مخلصانہ رعایت کا ذمہ دار ہے، اس دنیا کے اپنے قلیل مدتی سفر میں انسان اسی فرض منصبی کا حامل ہے اور انسان جب بے مثال وسائل جو کہ ان کے ہاتھوں میں امانت ہیں، سے استفادہ کریں گے اور اصول کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ پیش آئیں گے تو نہ صرف ہر انسان کی فلاح وبہبودی کی ضمانت ممکن ہے، بلکہ وہ ماحول بھی محفوظ ہو سکے گا جس میں حیوانات، چرند وپرند اور دوسری اللہ کی مخلوقات بستی ہیں۔

اجتماعی اخلاقیات، جیسا کہ بشادو یک کا مشاہدہ ہے، کا دارومدار متفق علیہ معیاروں پر ہے جنہیں مسلمہ امور کے طور پر قبول کرنا ضروری ہوتا ہے، ان میں قیل وقال کی بہت ہی کم گنجائش ہے، تاریخ انسانی میں بہت ہی کم ایسا ہوا ہے کہ اخلاقیات کبھی دین سے جدا ہوئے ہوں، برنارڈ ولیمس کا یہ مشاہدہ بالکل درست ہے کہ اجتماعی اخلاقیات کو فلاسفروں نے جنم نہیں دیا ہے۔

اس کے باوجود اگر ہمارے پاس بلاشرط قبول کئے جانے والے اقدار ہوں تو یہ سوال اپنی جگہ برقرار رہتا ہے کہ ان اقدار کے تئیں ہر شخص کی ذمہ داری کی ضمانت کی کیفیت کیا ہوگی؟ اقدار کے معیار پر پورا اترنا افراد کی طرف سے ذاتی مصلحتوں کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے، ان اقدار کے معیاروں پر پورا اترنے، اور ذاتی مصلحتوں کی قربانی پر مشتمل سیاسی، اقتصادی اور سماجی واجبات کی ادائیگی کسی فرد کو ابھارنے کے لئے کیسے معاون ہے اور یہ کہ اس کی حصولیابی کے ذاتی مصلحت کو طویل المیعاد تناظر عطا کر کے کیسے ممکن بنایا جا سکے جو اس فانی دنیا کے بعد آخرت کی زندگی تک دراز ہے؟ جہاں تک ذاتی مصلحت کا تعلق ہے اس دنیا میں اس کی تکمیل اس طور پر بھی ہوئی ہے کہ انسان انا پرست ہو اور دوسروں کے تئیں اپنی ذمہ داری کو انجام نہ دے، ان واجبات کی ادائیگی کے بغیر آخرت میں کسی شخص کی مصلحت پوری نہیں ہو سکتی ہے۔

ذاتی مصلحت کا طویل المیعاد تناظر یہی ہے کہ انسان اللہ سبحانہ وتعالی کے سامنے

جواب دہی کے لائق بن جائے اور جس کے اعتبار سے آخرت میں وہ ثواب وعذاب کا حق دار ہوگا جس کے اندر افراد وجماعت کو اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی پر ابھارنے کی صلاحیت موجود ہو، یہاں تک کہ اگر قلیل عرصہ کے لئے اس کی ذاتی مصلحت کا نقصان بھی ہو رہا ہو تو قلیل مدتی اور دنیوی مصلحت کی خاطر دائمی اور لازوال مصلحت کو قربان کر دینا کسی بھی انسان کے لئے کسی بھی زاویۂ نگاہ سے معقول نہیں ہے، ذاتی مصلحت کے اس پہلو کو مقلد ماہرین اقتصادیات نے نظر انداز کیا ہے، چنانچہ دوسروں کی فلاح وبہبود کی خاطر قربانی دینے کے لئے افراد کو ترغیب دلانے کا کوئی محرک موجود نہ رہا۔

لیکن کسی نظام اقدار اور نظام محرک کا بہت زیادہ فائدہ نہیں ہوسکتا جب تک لوگ انہیں تسلیم نہ کریں، یہی وجہ ہے کہ اسلام ہر مسلمان پر فرض کرتا ہے کہ اس کے پاس نہ صرف اسلامی اقدار اور اسلامی عالمی تصور کا ٹھوس بنیاد ہو، بلکہ موجودہ سائنس وٹیکنالوجی کی بنیاد بھی پختہ ہو (عقل کی قسم خاص کو دیکھیں)۔

ایسے بعض مسلمان ہیں جن کے لئے ملازمت اور ذاتی کاروبار کے مواقع کھلے ہوئے ہیں اور وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجائیں ان کی عزت وآبرو برقرار رہے اور اسی طرح آمدنی ودولت کی تقسیم میں نابرابری ختم ہوجائے۔ غربت کے خاتمے اور ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے معاشرے کے معاون ومددگار جیسے مقاصد کی حصولیابی موجودہ صورتحال میں ممکن نہیں، یہ اسی وقت ممکن ہے، جبکہ مالیات کے نظام کی اصلاح اس طور پر ہو کہ مالیات کی فراہمی اسلامی اصولوں کے مطابق ہو۔

شکل 3

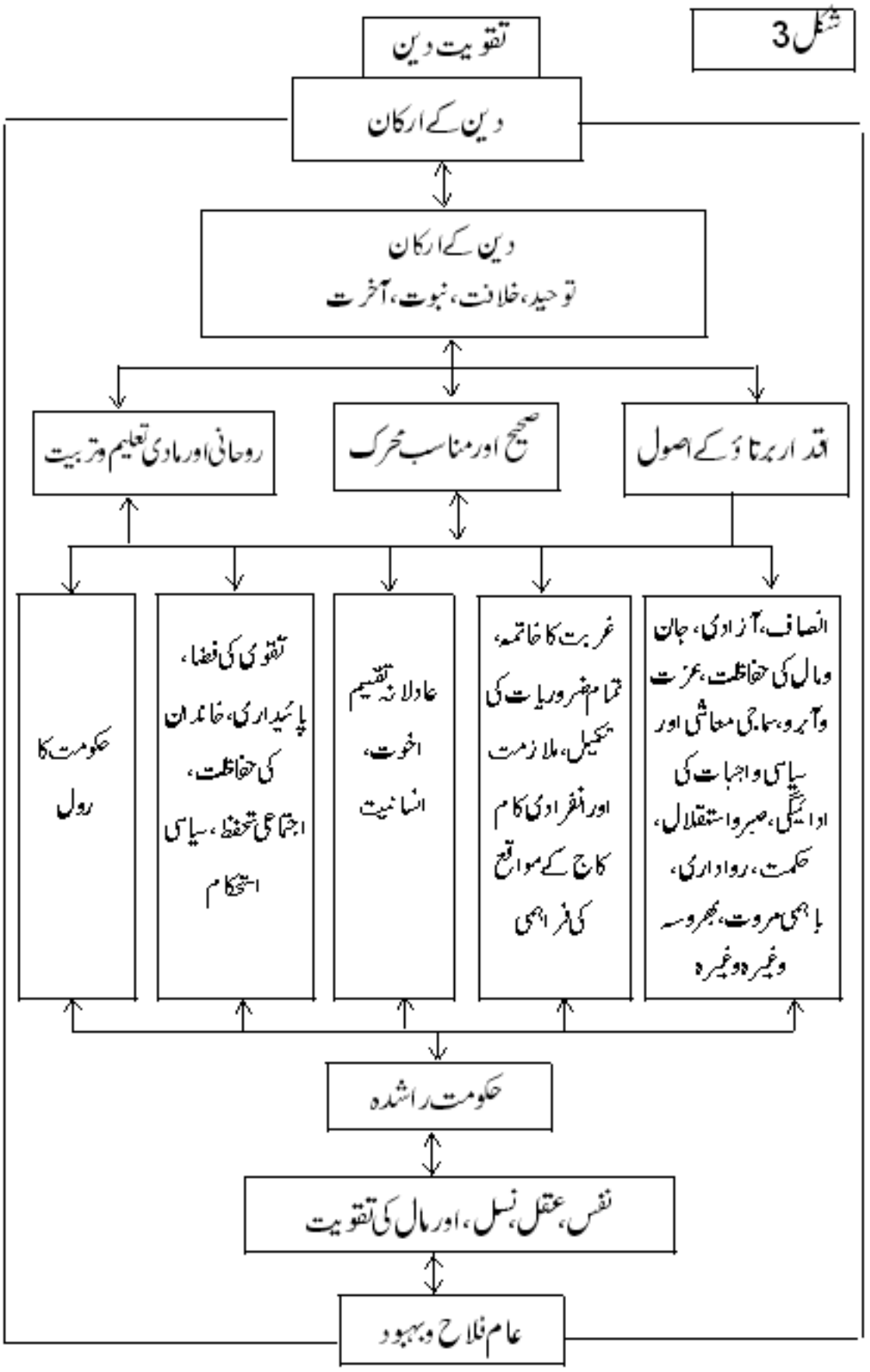
تقویت دین
دین کے ارکان
دین کے ارکان
توحید، خلافت، نبوت، آخرت
روحانی اور مادی تعلیم و تربیت
صحیح اور مناسب محرک
اقدار برتاؤ کے اصول
انصاف، آزادی، جان و مال کی حفاظت، عزت و آبرو، سماجی معاشی اور سیاسی واجبات کی ادائیگی، صبر و استقلال، حکمت، رواداری، باہمی مروت، بھروسہ وغیرہ وغیرہ
غربت کا خاتمہ، تمام ضروریات کی تکمیل، ملازمت اور انفرادی کام کاج کے مواقع کی فراہمی
عادلانہ تقسیم
اخوت، انسانیت
تقوی کی فضا، پائیداری، خاندان کی حفاظت، اجتماعی تحفظ، سیاسی استحکام
حکومت کا رول
حکومت راشدہ
نفس، عقل، نسل، اور مال کی تقویت
عام فلاح و بہبود

اسی طرح اسلام خاندان کی تقویت اجتماعی تحفظ، باہمی نگہداشت کے استحکام اور لوگوں کے درمیان امداد باہمی کا ایک خوشگوار ماحول تشکیل دینا چاہتا ہے، اس ممکنہ ماحول کے وجود کے بغیر نظام اخلاق و نظام محرک کارگر نہیں ہوسکتے، پنج وقتہ نمازیں، رمضان کے روزے، زکاۃ اور حج ان لوگوں کے لئے جو اخلاقی معیار کے پابند ہوں گے اور انہیں پسند کریں گے معاشرے کے احترام کا باعث ہوں گے، اور معاشرہ ان لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے گا جو نظام اخلاق و محرک کے پابند نہیں ہوں گے (أمر بالمعروف و نهی عن المنکر) ایسے ماحول کی تشکیل کے لئے یہ سب اسلامی منصوبے کے حصے ہیں۔

اس قسم کے ماحول سے افراد میں مطلوبہ صفات پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے نیز ان برائیوں کو دور کرنے میں بھی یہ معاون ہوتا ہے جن کی موجودگی سے انسانی معاشرہ کے پسندیدہ اہداف کا حصول خطرہ میں پڑسکتا ہے مثال کے طور پر سادہ زندگی کو فروغ دینا اور اسراف نیز نمائش کی خاطر اشیاء کے استعمال کو کم کیا جائے تو اس سے وسائل پر غیر ضروری بوجھ کو کم کرنے میں مدد ملے گی، اس سے نہ صرف وسائل کو ضائع ہونے سے بچایا جا سکے گا جنہیں دیگر حلقوں میں جہاں ان کی زیادہ ضرورت ہے استعمال کیا جاسکتا ہے جو معاشرتی مساوات کے لئے بھی ضروری ہے بلکہ اس سے روزگار کے مواقع بھی فراہم ہوں گے کیونکہ بچت اور سرمایہ کاری سے روزگار اور ترقی کی نئی راہیں کھلیں گی، مائکرو اکنامکس میں ان اقدار کو زیر غور نہ لانے کے سبب اس کے اور مائکرو اکنامکس کے درمیان ایک خلیج حائل ہوگئی ہے۔ اس قسم کا رویہ اور ذوق اور ان ترجیحات کے بغیر جو افراد، خاندانوں اور اداروں میں انسانیت پر مبنی مائکرو اکنامکس اہداف حاصل کرنے کے ضروری ہیں یہ اہداف بغیر کسی سہارے کے فضاء میں معلق رہتے ہیں مائکرو اکنامکس کے، انسانی اہداف ہی مائکرو اکنامکس سے غیر مربوط ہوکر رہ گئے ہیں، کیونکہ آخر الذکر کے انفرادیت پر حد سے زیادہ زور ہے یہ اپنے مفاد کی بجا آوری کے لئے حصول دولت کے ذریعہ ذاتی طمانیت پر توجہ مرکوز کرتی

ہے۔سترہویں اور اٹھارہویں صدی کی روشن خیالی تحریک نے اپنے سیکولر اور مادیت پرستانہ نظریۂ عالم کے تحت مغرب میں مذہب کے اس کردار کو بے اثر کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی کوشش میں جزوی طور پر ہی کامیاب ہوسکی کیونکہ مسیحی اقدار کا غلبہ برقرار رہا یہاں تک کہ وہ بتدریج کمزور اور کمزور تر ہوتی گئیں، اس صورت حال کے تلخ ترش اثرات کے خلاف احتجاج کی صدائیں بلند ہوئیں اور دنیا ایک بار پھر مذہب کی طرف لوٹ رہی ہے انعام یافتہ اسکالر شاورز نے صحیح انداز میں اس پر زور دیا ہے کہ اگر اخلاقی بنیاد کمزور ہو تو تہذیب منہدم ہو جاتی ہے اگرچہ اسی دوران دیگر حلقوں میں بہت زیادہ مضبوط نوعیت کی تخلیقی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں، لہٰذا اس کے بقول انسان کے مزاج پر اخلاقی کنٹرول فطرت پر کنٹرول کرنے سے بھی زیادہ اہم ہے حال ہی میں ہارورڈ کے ایک پروفیسر بنجان فرائیڈ مین نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ اخلاقی نمو اور اقتصادی ترقی دونوں قدم بہ قدم چلتے ہیں اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ان مغربی مصنفین سے بہت پہلے متعدد مسلمان مفکرین نے جن میں الغزالی، الشاطبی وغیرہ شامل ہیں، انسانی عافیت کے لئے مذہب کو اسی میدان میں بے حد اہم مقام عطا کیا تھا۔

یہاں ایک سوال یہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا اس مرقع میں مذہب کا انجکشن دے کر انسان کی آزادی کو محدود نہیں کردیا جائے گا، لیکن ایسا ضروری نہیں انسان کو آج بھی اختیار کی آزادی حاصل ہے وہ چاہے تو اپنے مذہب اور عقیدہ کے مطابق زندگی گذارے یا اس سے دور ہو جائے، قرآن عظیم کی متعدد آیات میں اسے وضاحت سے بیان کیا گیا ہے، ایک آیت میں کہا گیا ہے: تمہارے رب کی طرف سے ہدایت (صدق) آگئی ہے اب جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے اسے رد کرے:"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ نَاراً أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفِقًا" (18:29) (اور آپ کہہ دیجئے کہ حق

تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے، ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے اس کی قناتیں ان کو گھیرے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا، چہروں کو بھون ڈالے گا کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ جگہ) تاہم اگر وہ دین کو مسترد بھی کر دیں تب بھی وہ بے لگام آزادی حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہر معاشرہ میں انسانی آزادی پر کچھ پابندیاں بھی ضرور عائد ہوتی ہیں، مثلاً ٹریفک کی سرخ روشنی بھی ایک طرح سے فرد کی نقل وحرکت کو محدود کرتی ہے تاہم ہر شخص اس سے واقف ہے کہ اس پابندی سے لوگوں کو حادثات سے بچایا جا سکتا ہے انہیں ضرر سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے اور اس طرح انسانی عافیت کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

مملکت کا کردار

لیکن صرف مذہب ہی انسانی عافیت کے اہداف حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ سمجھنا غیر حقیقت پسندانہ ہوگا کہ معاشرہ میں تمام انسانی اخلاقی طور پر باشعور ہوں گے اور اللہ میں یقین اور آخرت میں اعمال کی جواب دہی کے احساس سے ان میں پنہاں شعور بیدار ہوگا۔ علاوہ ازیں اگر کوئی شخص اخلاقی طور پر باشعور ہے تو بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ وسائل کے استعمال میں معاشرتی ترجیحات سے بھی باخبر ہو اس لئے مملکت کے لئے یہ لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں ایک تکمیلی کردار ادا کرے۔ اسی لئے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے ذریعہ اس سے زیادہ امر و نہی کا نفاذ کراتا ہے جس قدر وہ قرآن عظیم کے ذریعہ خود حکم صادر فرماتا ہے، کتاب اللہ محض اقدار کو بیان کرتی ہے وہ انہیں نافذ نہیں کرتی، یہ حاکم / مملکت کا فریضہ ہے کہ ان احکام قرآنی کو نافذ کرے یہ مملکت کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو انصاف دلائے اور ان کی عافیت کو یقینی بنائے۔ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو لوگوں کا ولی بنایا گیا ہے اور وہ اپنی ذمہ داریاں اخلاص کے ساتھ انجام نہیں دیتا تو وہ جنت

کی خوشبو سونگھنے سے بھی محروم رہے گا۔قدیم وجدید دور کے متعدد مفکرین نے بھی اپنی تحریروں میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے، مثلاً امام حسن البنا کا کہنا ہے کہ حکومت معاشرتی ومعاشی اصلاحات کے لئے قلب کا درجہ رکھتی ہیں اگر ان میں خلل پیدا ہوجائے تو ہر شے فاسد ہوجائے گی اور اگر وہ صحیح حالت میں رہیں تو ہر شے کی اصلاح کرسکتی ہیں۔ تاہم مملکت کو یہ ذمہ داری اس انداز سے نباہنی چاہئے کہ اس کا رویہ آمرانہ اور مطلق العنان نہ ہوجائے، لوگوں کی آزادی پر حد سے زیادہ پابندیاں عائد کرنے سے انفرادی اور اجتماعی طور پر اقدام اور اکتشاف کے جذبہ کو نقصان پہنچے گا اس مقصد کے لئے یہ لازمی ہے کہ موثر تادیب وتوازن کے ذریعہ دیگر اداروں مثلاً شوریٰ (پارلیمنٹ) آزاد پریس، ایماندار عدلیہ اور صحیح ڈھنگ سے مرتب کردہ قوانین وضوابط کو بروئے عمل لایا جائے، مناسب مادی اعانت اور تعزیری اقدامات کے ذریعہ انہیں موثر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ایک پسندیدہ ماحول پیدا ہوسکے، تاہم عوام کی اخلاقی تعلیم وتربیت بھی ضروری ہے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ ان کے اندر خود بخود بیدار ہو۔

ترغیب جس قدر زیادہ موثر ہوگی اسی قدر لوگوں میں اسلامی اقدار کو بروئے عمل لانے کا جذبہ فروغ پائے گا، اور ایک زیادہ موثر معاشی ومعاشرتی نظم عدلیہ ومالیاتی ادارے وہ ماحول پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہوں گے جس سے ایک منصفانہ معاشی ومعاشرتی نظام فروغ پائے گا، اور ان مقاصد کے حصول کے لئے مملکت کا کردار کم سے کم ہوجائے گا کہ وہ قانون وقواعد کے نفاذ کے لئے اقدامات کرے۔ علاوہ ازیں عوام کے روبرو سیاسی لیڈروں کی جوابدہی زیادہ موثر ہونے اور اظہار رائے کی آزادی زیادہ وسیع ہونے اور پارلیمنٹ کے کامیابی کے ساتھ کام کرنے سے اور عدلیہ نیز ذرائع ابلاغ کی جانب سے خطا کاروں کو بے نقاب کرنے اور کیفر کردار تک پہنچانے سے بدعنوانیوں اور ناانصافی پر قدغن لگے گی۔ ایک اسلامی مملکت اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں جس قدر زیادہ فعال ہوگی اتنا ہی ان برائیوں پر قابو پایا جاسکے گا۔عوام کے معاشرتی

مفاد کے تحفظ کے لئے دیگر معاشروں میں جو منہج اختیار کیا گیا ہے اگر واقعی اس کے نتائج موثر ظاہر ہوتے ہیں تو مسلم ممالک میں بھی انہیں اختیار کیا جانا چاہئے۔

عقل کو تقویت دینا (شکل ۴)

عقل انسان میں وہ ممتاز خصوصیت ہے جسے مسلسل تقویت دینے کی ضرورت ہے، تا کہ فرد کی اپنی اور معاشرہ کے علم اور ٹیکنالوجی کی بنیاد مستحکم ہو سکے اور بہتر انسانی عافیت کو فروغ ہو۔ امام غزالی کا کہنا ہے کہ عقل علم کا سرچشمہ، مخرج اور بنیاد ہے علم اس سے اسی طرح حاصل ہوتا ہے جیسے پیڑ سے پھل حاصل ہوتا ہے، یا جس طرح سورج سے روشنی یا آنکھوں سے نگاہ حاصل ہوتی ہے اگر ایسا ہے تو اسے کیوں اس دنیا اور آخرت میں سرچشمہ (بصارت) کے طور پر اہمیت دی جاتی ہے؟ ترقی کے اسلامی تصور کے حصول کے لئے دین کو جو اہمیت دی جاتی ہے اس سے یہ ہرگز مراد نہیں ہے کہ عقل کی اہمیت کو کم کیا جائے، اس کا سبب یہ ہے کہ دین اور عقل ایک فرد کے لئے دل اور دماغ کی حیثیت رکھتے ہیں اور انسانی زندگی میں دونوں کا کردار بے حد اہم ہے۔ اگر انسان کو عافیت کا زیادہ سے زیادہ حصول مطلوب ہے تو ان دونوں میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب ہی عقل کو صحیح سمت عطا کرتا ہے اور مذہب کی رہنمائی حاصل نہ ہو تو عقل خطرناک حد تک گمراہی کی راہ اختیار کر کے عام تباہی کے ہتھیار تیار کرے گی، لہذا عقل کو انسانی فلاح میں استعمال کئے جانے کے لئے مذہب کی رہنمائی کی ضرورت ہے اسی طرح مذہب کو بھی عقل کی ضرورت ہے تا کہ وہ اپنی حرکی روح کو بیدار رکھ سکے اور بدلتے معاشی ومعاشرتی اور دانش ورانہ ماحول کے تقاضوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کر سکے۔ وسائل کی کمی کے باوجود ایسی ٹیکنالوجی کو فروغ دے جو ترقی کی رفتار کو تیز تر کر دے اور مقاصد کے حصول کے لئے اہم کردار ادا کرے۔ لہذا جیسا کہ اس سے پہلے عرض کیا گیا دین اور عقل دونوں اہم اور لازم وملزوم ہیں، ان دونوں کا متوازن استعمال ایسے علم اور ٹیکنالوجی کے فروغ کا باعث ہوگا جو

صحیح معنوں میں انسانی عافیت کی ضمانت ہوگی، تباہی کی نہیں۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تو انجام کار یہ زوال وانحطاط کی راہ پر لے جائے گی۔ قرآن عظیم نے بھی عقل اور مشاہدہ پر بے حد زور دیا ہے: ''إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلَى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' (3:190-191) (بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں، یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر (برابر) یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لایعنی نہیں پیدا کیا ہے تو پاک ہے، سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے)۔ ''سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْئٍ شَهِيدٌ'' (41:53) (ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں (اسی) دنیا میں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر کھل کر رہے گا کہ یہ (قرآن) حق ہے کیا آپ کے پروردگار کا یہ وصف کافی نہیں کہ وہ ہر (چھوٹی بڑی) چیز کا شاہد ہے)، تاریخ کے ادوار میں مسلم دانش وروں نے اپنی نگارشات میں اس پر زور دیا ہے مثلاً ابن تیمیہ نے زور دے کر یہ بات کہی ہے کہ مسلمان قرآن وسنت اور اجماع امت سے اپنے عقیدے، عبادات اور اقدار کا جو استنباط کرتے ہیں وہ عقل سے متصادم نہیں ہے کیونکہ جو بات بھی عقل سے متصادم ہو اسے رد کر دیا جائے گا یعنی وہ باطل قرار پائے گی، امام ابن تیمیہؒ نے مزید دلیل پیش کی کہ قرآن وحدیث کی عبارت الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے لوگ ان الفاظ کو پڑھتے ہیں اور یہ ممکن ہے کہ وہ ان الفاظ کا مفہوم صحیح طور پر نہ سمجھیں یا غلط تعبیر کریں، لہذا اب جو مشکل پیش آتی ہے وہ ان تعبیر وتشریح کرنے والوں کی

پیدا کردہ ہے نہ کہ قرآن وحدیث کی۔ مصطفیٰ الزرقاء نے جو بیسویں صدی کے ایک معتبر اور محترم مذہبی دانشور ہیں اور شاہ فیصل ایوارڈ سے بھی سرفراز ہو چکے ہیں بھی واضح طور پر کہا ہے کہ امت میں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اسلامی عقیدہ اور اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو عقل سے متصادم ہو۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عقل اور مذہب دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ انہیں اس انداز سے استعمال کیا جانا چاہئے کہ ایک دوسرے کو سہارا دیں اور مقاصد کے حصول میں معاون ہوں، عقل کے سرگرم کردار کے بغیر اجتہاد کو بروئے کار لانا اور قرآن وحدیث کے تراجم وتفاسیر کا عقلی میزان پر جانچنا ممکن نہیں ہوگا۔ نہ فقہاء کے فتاویٰ کا اس پہلو سے جائزہ لیا جاسکے گا کہ ان کے فیصلوں سے مقاصد کے حصول پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔ ان فیصلوں کی کوئی ایسی تعبیر جو مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو اور اندیشہ ہو کہ ان سے ایسے نتائج برآمد ہوں گے جو انسانی عافیت کے لئے ضرر رساں ہیں تو ان پر احتیاط سے ازسرنو غور کیا جانا چاہئے۔ یا تو انہیں منضبط کیا جائے یا یکسر مسترد کر دیا جائے۔ متعدد معتبر علماء نے اس پہلو پر زور دیا ہے۔ امام الحرمین ابو المعالی الجوینی (متوفی 1085ء - 478H) نے کہا ہے کہ ہر کوئی مقاصد کے عمل کو نہیں سمجھتا جو شریعت میں اوامر ونہی کے تحت آتے ہیں تو ایسا شخص اس کے نفاذ کی معنویت وبصیرت سے نا آشنا ہے، شیخ محمد بن طاہر ابن عاشور نے بھی کہا ہے کہ اصول فقہ کے اکثر موضوعات شارع کے فرمان سے استنباط کرنے تک محدود ہو گئے ہیں۔ انہیں شریعت کے مقاصد کی بجا آوری کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اس کا افسوسناک نتیجہ یہ ہے کہ بہت سے علماء دین بشمول اصول فقہ کی اس روح اور بصیرت سے محروم ہو گئے ہیں جو صدر اول میں علماء کو حاصل تھی۔ لہٰذا علوم دین کے احیاء کے لئے اس روح کو بیدار کرنا اشد ضروری ہے۔ متن کی تشریح سے محض الفاظ پر انحصار کرنے کی بجائے اگر مقاصد پر زور دیا جائے تو اس سے اسلام کی اصل تعلیم کی درخشندگی بحال ہوگی بلکہ اختلاف رائے اور موجودہ تنازعات کے حل، شدت پسندی،

عدم رواداری، اورظاہر پرضرورت سے زیادہ زور دینے سے نجات حاصل کرنے میں مدد ملے گی لیکن عقل اوردین کے احترام اور تکمیلی عمل کو اس وقت تک بروئے کار نہیں لایا جاسکتا جب تک مسلم ممالک میں ایک ایسا نصاب تعلیم رائج نہ ہو جو عصری علوم کے ساتھ مذہبی علوم کو بھی ساتھ لے کر چلے اور طالبان علم میں وہ بصیرت پیدا کرے کہ وہ مقاصد کی روشنی میں متن کا مطالعہ، تجزیہ اور تعبیر کرسکیں تا کہ اسلام کی حرکی روح بیدار ہو اور وہ عصری تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔

شکل:4

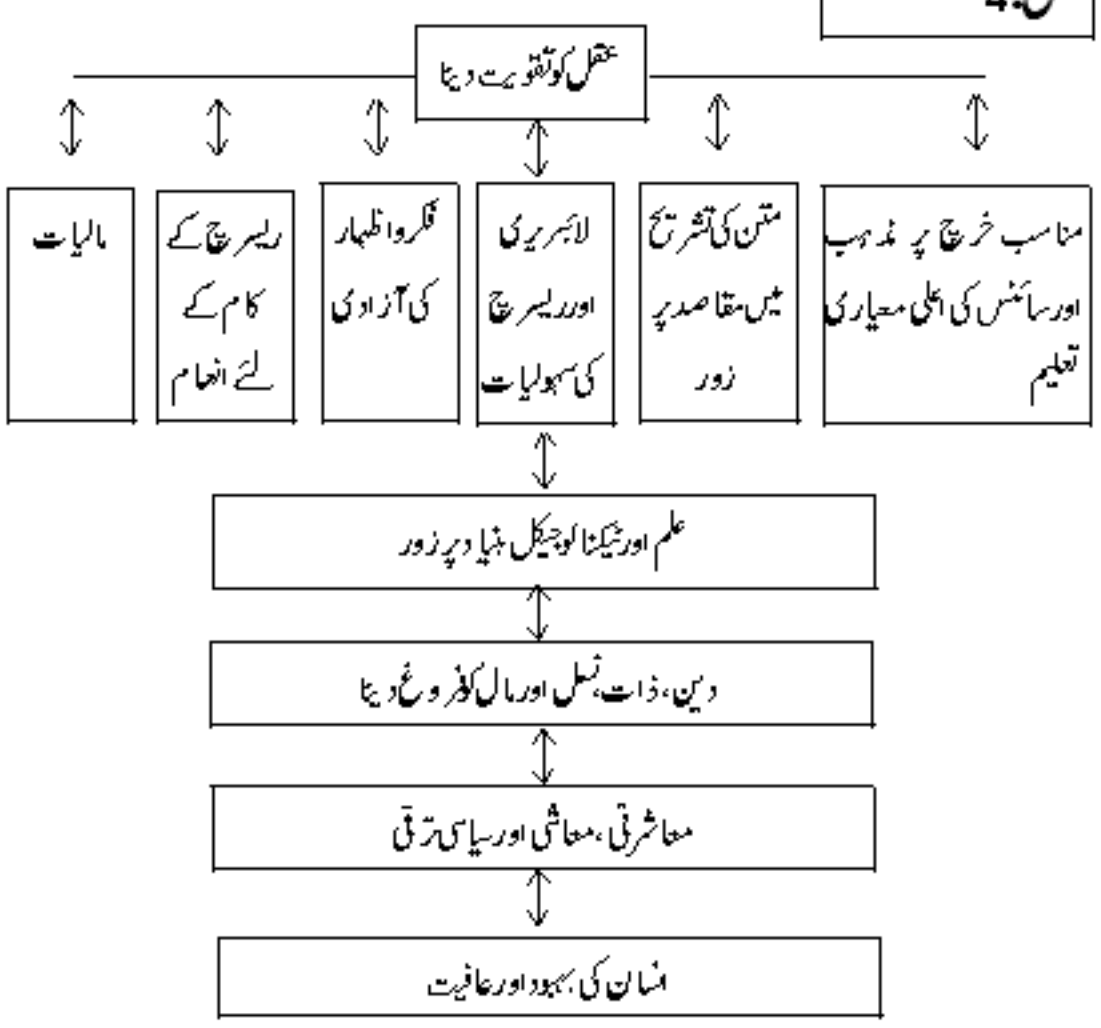

یہ بات بالکل فطری ہے کہ ایک نظریہ عالم جو انسان کی معاشی ومعاشرتی ترقی پر بہت زیادہ زور دیتا ہے وہ تعلیم پر بھی اتنا ہی زور دے گا۔ اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اللہ نے

اپنے رسول ﷺ کو جو سب سے پہلے وحی نازل کی وہ "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ..... اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ" تھی۔ خود حضرت رسول اکرم ﷺ نے اسلام کے نظریۂ عالم میں تحصیل علم کو بہت زیادہ اہمیت دی اور مومن مرد وعورت کے لئے علم حاصل کرنا فرض قرار دیا، رسول اکرم ﷺ نے ایک عالم کو زاہد پر فضیلت دی اور فرمایا کہ عالم کا درجہ ایسا ہی ہے جیسا ستاروں کے درمیان چاند کا ہے۔ مذہبی اور عصری تعلیم کے امتزاج سے یہ درجہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسی سے لوگ اپنے معاشرہ کی اقدار سے واقف ہو سکتے ہیں حلال طریقہ سے روزی حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کر سکتے ہیں اور سائنس اور ٹیکنالوجیکل ترقی کے امکانات کو روشن بنا سکتے ہیں۔ اور اس سے مقاصد کی حصولیابی بھی ممکن ہوگی قرآن وسنت میں علم حاصل کرنے پر جو زور دیا گیا ہے اس کے پیش نظر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے، شیخ ابوزہرہ جو بیسویں صدی کے ایک عظیم فقیہ ہیں ان کا کہنا ہے کہ افراد کو تربیت دینا نہایت ضروری ہے تاکہ وہ اپنے معاشرے کے لئے باعث فلاح بنیں نہ کہ باعث فساد۔

تاہم اگر علم سے وسیع تر اخلاقیات کا حصول مراد ہے تو علم اور عقل کا معیار بہت بلند ہونا چاہئے۔ اسی سے مسلم معاشرہ کی علمی وٹیکنالوجیکل ترقی ممکن ہے، اگر کتب خانہ اور ریسرچ (تحقیق) کی سہولیات فراہم نہ کی جائیں تو یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ اگر فکر واظہار کی آزادی نہیں ہے تو بھی یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا، اگر تخلیقی کام کی مناسب پذیرائی نہیں ہوتی تقرر اور ترقی تعلقات اور چاپلوسی کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں، صلاحیت اور خدمات کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ وسائل کی کمی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ تاہم اگر تعلیم تحقیق اور ٹیکنالوجیکل ترقی کو اہمیت دی جاتی ہے تو بدعنوانیوں کو آخری حد تک کم کرنا ہوگا اور وسائل جہاں کہیں سے بھی میسر ہوں انہیں وہاں سے حاصل کیا جائے (شکل نمبر ۵)

نسل کو فروغ دینا (شکل ۵)

کوئی بھی تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی اگر اس کی جدید نسل روحانی جسمانی اور ذہنی طور پر اپنے اجداد سے کمزور اور کم تر ہو اور اپنے عصری تقاضوں سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ لہٰذا نئی نسل کی ذہنی تربیت اور ترقی کے لئے مسلسل کام ہوتا رہنا چاہئے چاہے یہ مرحلہ کئی عوامل پر انحصار کرتا ہو۔ پہلی بات یہ ہے کہ نئی نسل کے بچے بھی تربیت حاصل کر رہے ہوں اچھے مسلمان بننے کے لئے انہیں حسن اخلاق سے آراستہ ہونا ضروری ہے۔ یہ وہ وصف ہے جو اسلام اپنے پیروں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ان بچوں کو بچپن سے ہی ایسے اوصاف سیکھنے چاہیں جس سے وہ ایماندار، سچے، باشعور، متحمل مزاج، محتاط، محنتی، کفایت شعار، نظم وضبط کے پابند اور اپنے بزرگوں کے تئیں احترام کا جذبہ رکھنے والے ہوں۔ ان کو دوسروں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کی بجا آوری کے لئے تیار رہنا چاہئے، خصوصاً وہ جوان کے ماتحت ہوں، غریب کمزور اور بے سہارا ہوں، نیز دوسروں کے ساتھ پر امن انداز سے رہنے کا جذبہ بیدار رہنا چاہئے۔

خاندان بچوں کی تربیت کا پہلا گہوارہ ہے اگر بچپن میں ہی ان بچوں کو اس کردار (حسن خلق) کا حامل نہیں بنایا جاتا جو اسلام ان سے متوقع رکھتا ہے تو بعد میں ان کے اندر کو صفات پیدا کرنا آسان نہیں رہے گا۔ اگر ماں باپ کا کردار حسن خلق سے عاری ہے تو خاندان ان اہم ترین ذمہ داریوں کی بجا آوری سے بھی محروم رہے گا۔ اسلامی تعلیمات سے عملاً بے بہرہ رہنے کی صورت میں والدین اپنے بچوں کے لئے ایک نمونہ نہیں بن سکتے اور نہ وہ اپنے بچوں ایسی صلاحیتیں بیدار کر سکتے ہیں جس سے وہ سودمند انسان بن سکیں، علاوہ ازیں گھر میں ایک پرسکون شائستہ اور محبت کا ماحول ہونا چاہئے جیسا کہ قرآن عظیم نے تلقین کی ہے (39:21)، ایسا ماحول اس وقت ہی پیدا ہوسکتا ہے جب والدین ایک دوسرے کے لئے اپنی ذمہ داریاں باشعور اور

دوستانہ ماحول میں پوری کریں، ماں باپ کے درمیان مستقل تنازع بے حد ضرر رساں ماحول پیدا کرتے ہیں، یہ کشمکش بعض اوقات طلاق تک پہنچ جاتی ہے، بچوں پر اس کا نہایت ہی ناگوار اثر پڑتا ہے، اس سے ان کی ذہنی اخلاقی اور نفسیاتی بالیدگی متاثر ہوتی ہے، اسی لئے حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جائز باتوں میں اللہ کے نزدیک طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے نیز آپ ﷺ نے فرمایا شادی کرو مگر طلاق مت دو کیونکہ طلاق ایک ایسا عمل ہے جس سے عرش الٰہی لرز جاتا ہے، لہٰذا بچوں کی بہبودی اور مستقبل کے لئے یہ ضروری ہے کہ خانگی جھگڑوں سے بچا جائے اور جہاں تک بھی ممکن ہو طلاق تک بات نہ پہنچنے دی جائے اور اگر طلاق کے بغیر چارہ نہ رہے تو کوشش کریں کہ بچوں کو اس کے ناگوار اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔

خاندان کی ایک جہتی اور بچوں کی مناسب اخلاقی تربیت کے لئے دوسرا ضروری عامل یہ ہے کہ بچوں کی بہتر تعلیم کا بندوبست کیا جائے تاکہ جدید نسل میں وہ صلاحیت پیدا ہو سکے کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو سکیں اور اپنے معاشرہ کی اخلاقی، معاشی، معاشرتی، ٹکنالوجیکل، دانشورانہ ترقی و فروغ کے لئے موثر کردار ادا کر سکیں، اس مقصد کے لئے یہ ضروری ہے کہ اعلیٰ معیار کے سکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جائیں، یہی وہ میدان ہے جس میں کئی صدیوں سے مسلمان بہت زیادہ پسماندہ ہیں حالانکہ اس سے پہلے کئی صدیوں تک انہوں نے اس میدان میں قابل قدر خدمات انجام دی تھیں لہٰذا جب تک تعلیم کو ترجیح نہ دی جائے اور اس کے لئے مطلوبہ وسائل فراہم نہ کئے جائیں مسلمان ملکوں میں اس میدان میں تیزی سے ترقی ممکن نہیں ہوگی اور نہ وہ عصری تقاضوں کا کامیابی سے مقابلہ کر سکیں گے، آج حالات کی دیوار پر جو الفاظ جلی خط میں لکھے ہوئے ہیں وہ ہیں: تعلیم، تعلیم اور تعلیم، تعلیم کو مطلوبہ مقصد کے مطابق فروغ نہیں دیا جا سکتا جب تک کہ یہ مفت نہ ہو اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو اس کا خرچ اتنا ہونا چاہئے جسے والدین برداشت کر سکیں۔ بصورت دیگر صرف مال دار لوگ ہی اپنے بچوں کو معیاری تعلیم

دلاسکیں گے اس سے موجودہ دور میں آمدنی اور دولت کی عدم مساوات ہے میں اضافہ ہوگا اور نتیجہ کے طور پر معاشرتی کشیدگی اور عدم استحکام بھی زیادہ شدت اختیار کرے گا۔ وسائل کی کمی کا شکوہ بھی ایک عذر لنگ ہے ترقی کی راہ میں تعلیم کی جو اہمیت ہے اس کا تقاضا ہے کہ اسے سب سے زیادہ ترجیح دی جانی چاہئے خواہ اس کے لئے دیگر ذرائع سے وسائل کیوں نہ فراہم کرنے پڑیں۔

شکل:5

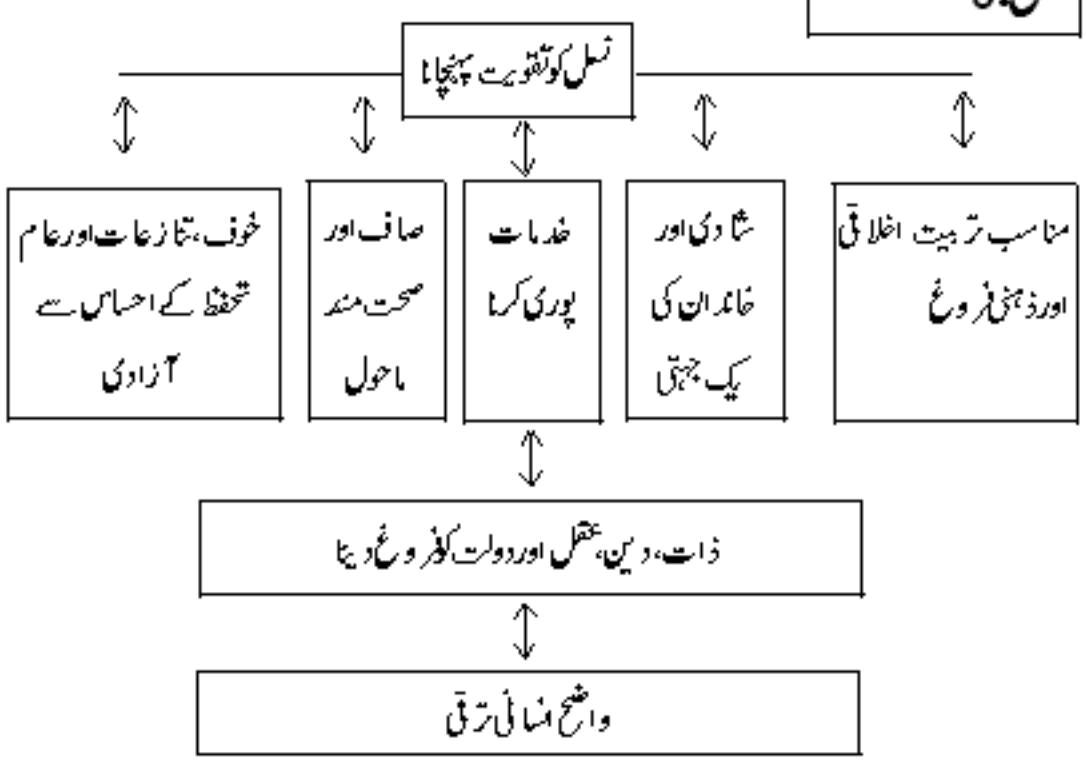

دو دیگر عوامل بھی ہیں جو نسل کی ترقی کے لئے لازمی ہیں، ان میں سے ایک ان کی جملہ ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ اس میں صحت کی دیکھ بھال بھی شامل ہے تا کہ وہ معاشرہ میں اپنی ذمہ داریاں بہتر طریقہ پر انجام دے سکیں۔ حضرت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ایک طاقتور مومن ایک کمزور مومن کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے، اگر بچوں کو صاف ستھرے

صحت مند ماحول کے ساتھ تقویت بخش غذائیں اور مناسب طبی نگہداشت نہ ملے تو وہ اپنے معاشرہ میں اپنی ذمہ داریاں کماحقہ نہیں نبھا سکتے کیونکہ صحت کے اعتبار سے وہ تندرست وتوانا نہیں ہونگے خواہ اخلاقی تکنیکی اور تعلیمی اعتبار سے وہ کتنے ہی اچھے کیوں نہ ہوں۔

نسل کے فروغ کے لئے دوسرا ضروری عامل خوف، تنازعات، اور عدم تحفظ کے احساس سے آزادی ہے، اس کے ساتھ قرضہ کے بوجھ سے نجات جو آج کل کی نسل اپنی آسائش کے لئے قرضے حاصل کرتی ہے، اگر رواداری اور پر امن بقاء باہم کے جذبہ کو اپنایا جائے تو خوف تنازعہ اور عدم تحفظ کے احساس کو کم کیا جاسکتا ہے یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کے درمیان بہتر مفاہمت بڑھانے اور آزار پہنچانے والے اسباب کو ترک کر کے قرضے کے بوجھ سے بچایا جاسکتا ہے۔ اول یہ کہ نئی نسل کو اپنا طرز زندگی بدلنا چاہئے اور اپنی آمدنی اور وسائل سے بڑھ کر اخراجات سے بچنا چاہئے، اس سے نہ صرف نجی زمرہ میں قرضہ کا بوجھ کم ہوگا بلکہ بچت میں اضافہ ہوگا اور اس سے نوجوانوں کے لئے روزگار کے مزید مواقع فراہم ہوں گے۔ دوسرا اہم قدم یہ ہے کہ سرکار کے بچت میں خسارہ کو کم کیا جائے کیونکہ اس خسارہ کو پورا کرنے کے لئے حکومت قرض لیتی ہے۔ ایسا کرنے سے مقاصد کے حصول میں ان وسائل کے دستیاب ہونے سے کافی مدد ملے گی۔ الغزالی اور الشاطبی نے دولت (مال) کو سب سے آخر میں رکھا ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مال کی کوئی اہمیت نہیں درحقیقت یہ بھی مقاصد کے مذکورہ بالا چار اولیں مقاصد کی طرح ہی اہم ہے کیونکہ مال کے بغیر دیگر چار عوامل پر عمل درآمد کرنے میں وہ آسانی میسر نہیں ہوسکتی جو عافیت کے فروغ کے لئے مطلوب ہے۔

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ قرآن وسنت دونوں میں نفس کشی اور رہبانیت سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن عظیم میں کہا گیا ہے ان لوگوں نے اپنے لئے رہبانیت کو قبول کیا حالانکہ ہم نے انہیں ایسا کرنے کی تلقین نہیں کی تھی: ''ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ آتَيْنَاهُ الْإِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةَ نِابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُوْنَ" (57:27)

(پھر ہم ان کے بعد اپنے اور پیمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا اور ہم نے انہیں انجیل دی، اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی، ان کے دلوں میں ہم نے شفقت اور نرمی رکھ دی تھی، اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کرلیا، اِسے ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا بلکہ انھوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر (اسے اختیار کرلیا تھا) سو انہوں نے اس کی رعایت پوری پوری نہ کی سو ان میں سے جو (اب) ایمان لائے ہم نے انہیں انکا اجر دیا اور زیادہ تو ان میں کے نافرمان ہی ہیں)، شاید اسی وجہ سے حضرت رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص میں تقوی ہے اس کے لئے مال حاصل کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے (یعنی وہ برائیوں سے بچتا ہے) آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ مال کو انسانی ذات (نفس) کے فوراً بعد رکھا گیا ہے۔ یہ ترتیب امام فخر الدین رازی نے پانچ مقاصد کی درجہ بندی میں رکھی ہے۔ امام رازی ایک ممتاز فقیہ اور مفسر قرآن ہیں۔ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے لہذا اسے بے حد احتیاط سے صرف کرنا چاہئے خصوصاً معاشرہ سے غربت دور کرنے کے لئے اس کا دیانت داری سے استعمال کیا جانا چاہئے۔ دوسروں کی زندگی میں آسائش پیدا کرنا اور آمدنی اور مال کی مساوی تقسیم سے بھی مال کے باشعور انداز میں خرچ کرنے میں مدد ملتی ہے مال کا حصول اور خرچ مقاصد کے حصول یابی کے لئے کیا جاتا ہے۔

شکل:6

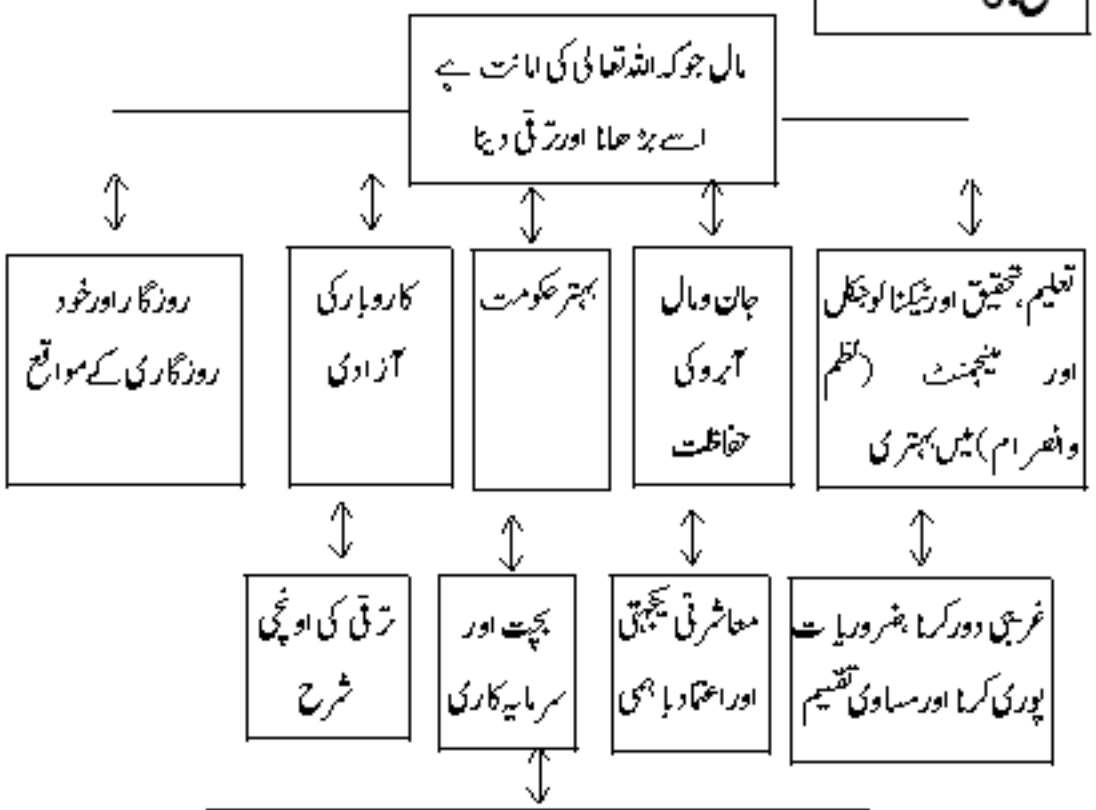

یہی وہ مقام ہے جہاں دین اپنی اقدار اور ترغیبی نظام کے ذریعہ ایک اہم کردار ادا کرتا ہے ان اقدار کے بغیر جو دین فراہم کرتا ہے مال کا حصول بھی صرف مقصد بن جائے گا اور پھر یہ بددیانتی کو فروغ دے گا عدم مساوات عدم توازن اور زیادتیوں کو بڑھائے گا جس سے موجودہ اور آئندہ نسل کے اکثر ممبران کی عافیت خطرے میں پڑ جائے گی یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جو درہم و دینار کا غلام ہے وہ برباد ہے اس لئے انسان کی فلاح اور عافیت کے لئے دین اور مال دونوں ہی بے حد ضروری ہیں دونوں میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑا نہیں جا سکتا۔ مال سے وسائل فراہم ہوتے ہیں جو انسان کو اللہ کی طرف سے عائد کردہ ذمہ داریوں کی بجا آوری اور اپنی ذات بنی نوع انسان اور

ماحول سے متعلق ذمہ داریوں کی انجام دہی میں معاون ہوتے ہیں۔ دین انسان کے اندر آمد وخرچ کے بارے میں نظم وضبط پیدا کرنے کا شعور پیدا کرتا ہے اوراس طرح وہ اپنے مقاصد کو زیادہ موثر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے۔

مال اور آمدنی کے بارے میں عدم مساوات کو کم کرنے کے اسلام کے اہم ہدف کو حاصل کرنے کے لئے مال کو فروغ دینا ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے زکوٰۃ، صدقات، اوقاف پر ترجیحی طور پر اعتماد کرنا ایک غلطی ہوگی۔ حالانکہ یہ سب ایسے وسائل ہیں جنہیں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ معاشی ترقی کے ذریعہ قومی آمدنی میں اضافہ کیا جائے اگر بھاری ٹیکس لگا کر مالدار طبقہ سے سرمایہ وصول کرنے کی راہ اختیار کی جائے تو اس طبقہ کے لوگ مزاحمت کریں گے۔قرآن عظیم نے صحیح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے: "إِنْ يَسْئَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ" (47:37) (وہ اگر تم سے تمہارے مال طلب کرے اور آخری درجہ تک تم سے طلب کرتا رہے تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمہاری ناکواری ظاہر کردے)، اشتراکی تجربہ کی روشنی میں کراس لینڈ نے صحیح کہا ہے کہ ہر ایک اہم تبدیلی نہ صرف اضافی بلکہ قطعی انحطاط کی طرف لے جاتی ہے جو آبادی کے نصف خوشحال طبقے کی آمدن میں خلل واقع ہوتا ہے اور اسے وہ ناکام بنادیں گے۔ مسلم ممالک میں جہاں اخلاقی تبدیلیاں روبعمل آچکی ہیں وہاں کا تجربہ بہت زیادہ مختلف نہیں ہوگا۔ اگر تقسیم نو کے اقدامات پر ضرورت سے زیادہ انحصار کیا جائے۔ لہٰذا مسلمان غربت اور عدم مساوات کو ختم کرنے کے لئے معاشی ترقی کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ ایک ثقافتی تبدیلی کے ذریعہ تعلیم، ٹیکنالوجیکل ترقی سخت اور باشعور انداز میں کام کفایت شعاری، پابندی اوقات، تحقیق، صلاحیت، ضبط ونظم اور مشترک طور پر کام کرنے اور متعدد دیگر انفرادی ومعاشرتی خصوصیات کے ذریعہ ذہنی صلاحیتوں کو فروغ دیا جائے، اس وقت مسلم معاشرہ میں یہ خصوصیات نسبتاً کافی

کمزور ہیں، مدارس اور اسکولوں کے نصاب میں اور مسجد کے خطبوں میں بھی ان پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا، علاوہ ازیں تعلیم کو فروغ دینے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مالی، مالیاتی تجارتی پالیسیوں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ازسرنو مرتب کیا جائے تاکہ ترقی کی رفتار تیز تر ہو سکے۔ جن ملکوں نے اس میدان میں کامیابی حاصل کی ہے اور ترقی کی بہتر شرح پانے میں کامیاب رہے ہیں ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں کوئی پریشانی محسوس نہیں ہونی چاہئے بشرطیکہ یہ شریعت سے متصادم نہ ہوں، ترقیاتی میدان میں زیادہ مساوات کو فروغ دینے کے لئے چھوٹے کاروباروں کو بھی بڑھاوا دینا ضروری ہے تاکہ غریبوں کو روزگار اور خود روزگاری کے بہتر مواقع فراہم ہوسکیں، لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پیشہ ورانہ تربیت کا بندوبست نہ کیا جائے، مائکروفائنانس (چھوٹی رقوم کی فراہمی) اور وہ بنیادی ڈھانچہ دستیاب نہ ہو جس کی اشد ضرورت ہے اور دیہی علاقوں اور شہر کے غرباء کے بستیوں (سلم) میں سہولیات فراہم نہ کی جائیں۔ تجربہ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ سوء پر مبنی مائکروفائنانس سے وہ نتائج حاصل نہیں ہوئے جن کی توقع تھی، اس سے انتہائی غریب لوگوں کی زندگی میں خوشحالی نہیں آئی کیونکہ شرح سود 30 سے 45 فیصد تک پہنچ جاتی ہے اس سے قرض لینے والوں کو شدید دشواری پیش آتی ہے وہ قرضہ کے ایک لامتناہی چکر میں پھنس جاتے ہیں، سرمایہ کا مالک ہونا دولت کی فراہمی کی ایک اہم بنیاد ہے اور اگر غریبوں کی سرمایہ تک رسائی نہیں ہے تو وہ پیشہ ورانہ مہارت رکھنے کے باوجود غربت کے اندھیروں سے نہیں نکل سکتے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بے حد غریب لوگوں کو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بغیر سودی مائکروفائنانس فراہم کیا جائے۔

اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ زکوٰۃ اور اوقاف کے وسائل کو مائکروفائنانس سے مربوط کیا جائے، جو لوگ نفع نقصان کے اشتراک کی بنیاد پر اور اسلامی مالیات کے طریقہ پر فروخت اور پٹے کی بنیاد پر اقدامات کو برداشت کرسکتے ہیں اس کے لئے ان طریقوں کو مقبول

بنایا جانا چاہئے پس اس سے ثابت ہوا کہ اسلام نے انسانی فلاح کے تمام عناصر کو یکجا کر دیا ہے۔ اس میں انسان کا دین، نفس، عقل، نسل اور مال شامل ہیں نیز ان کے متعلقات بھی ہیں صرف مال ہی کو اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ یہ سب لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے کو سہارا دیتے ہیں۔ جب ان تمام عناصر کو فروغ دینے کو یقینی بنایا جائے تو اسلام کے پنج گوشہ ستارہ کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنی پوری تابندگی سے ضیا پاشی کرے اور انسانی فلاح وعافیت کے مقاصد کے حصول میں معاون ہو (شکل ۷) تب ہی امت مسلمہ کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ ان صفات کی حامل ہو جو قرآن عظیم نے حضرت رسول اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا ہے ہم نے تمہیں انسانیت کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے: "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلاَّ رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ" (21:107)۔

شکل ۷ - انسانی فلاح وعافیت - مقاصد شریعت کی روشنی میں

اسلامی تصور کو حاصل کرنے کے لئے دیگر ضروری معلومات کو نظر انداز کر کے صرف اقتصادی ترقی پر توجہ مرکوز کر کے عالم اسلام مختصر مدت کے لئے نسبتاً اعلیٰ شرح نمو تو حاصل کر سکتا ہے لیکن انجام کار اسے برقرار رکھنا مشکل ہوگا، کیونکہ اس سے عدم مساوات، خاندانوں میں انتشار، نوعمر بچوں کے جرائم، دیگر جرائم اور معاشرتی بے اطمینانی میں اضافہ ہوگا۔ یہ گراوٹ (انحطاط) بتدریج معاشرہ کے ہر شعبہ میں پھیل جائے گی۔ معاشی، سیاسی، ہر دائرہ میں اس کے

اثرات ظاہر ہوں گے جیسا کہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے۔ اور انجام کار مسلم تہذیب کے مزید زوال وانحطاط کا موجب بنے گی۔ صدیوں کے انحطاط کے سبب یہ خرابی پہلے ہی اس کی سطح کو متاثر کر چکی ہے۔